روایت اور جدیدیت

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

دار الفکر الاسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں!

نام کتاب:	روایت اور جدیدیت
مصنف:	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
ناشر:	دار الفکر الاسلامی
صفحات:	48
قیمت:	70 روپے
طبع اول:	اکتوبر، 2019ء
ای میل:	mzubair@cuilahore.edu.pk
	hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی دیگر کتب:

☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں (Existence of God)

☆ صالح اور مصلح (Personality Development)

☆ سیکس، سائیکالوجی اور سوسائٹی (Sex, Psychology and Society)

☆ آسان دین (Easy Islam)

☆ تعلق کی سائنس (Science of Relationship)

☆ ازدواجی زندگی مسائل اور حل (Marital Life: Problems and Solutions)

☆ جادو، آسیب اور نظر بد کا علاج (Magic, Devil and Evil Eye)

☆ مکالمہ (Dialogue)

☆ اسلامی نظریہ حیات (Islamic Ideology of Life)

☆ اسلام اور مستشرقین (Islam and Orientalists)

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

http://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi.html

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت اور جدیدیت

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
اسسٹنٹ پروفیسر، کامسائٹس یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور کیمپس، لاہور
ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور
ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الاسلامی

لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ [التوبة: 31]

''انہوں نے اپنے فقہاء اور صوفیاء کو بھی رب بنالیا اور عیسی ابن مریم علیہ السلام کو بھی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

فاضل، قابل اور مخلص دوست مراد علوی کے نام

کہ جن کی ایک تحریر اس کتابچے کے لکھنے کا محرک بنی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

مقدمہ 8

کیا اہل حدیث جدیدیت کے نمائندہ ہیں؟ 10

جدیدیت کیا ہے؟ 12

روایت اور جدیدیت: علم فقہ 18

روایت اور جدیدیت: علم کلام 33

روایت اور جدیدیت: تصوف واحسان 37

روایت اور جدیدیت: فہم کا مسئلہ 42

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

"روایت اور جدیدیت" چند تحریروں کا مجموعہ ہے جو پہلے پہل فیس بک ٹائم لائن پر شیئر کی گئی تھیں۔ بعض دوستوں کا تقاضا تھا کہ انہیں ایک کتابچے کی صورت جمع کر دیا جائے تو اس غرض سے ان تحریروں کو ضروری ایڈیٹنگ اور کچھ اضافوں کے بعد ایک کتابچے کی صورت جمع کیا گیا ہے کہ جسے فیس بک اور واٹس ایپ گروپس میں شیئر کیا جا سکتا ہے۔

اس کتابچے کا شان نزول یہ ہے کہ ہمارے ایک قریبی دوست جناب مراد علوی صاحب جو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ سیاسیات میں زیر تعلیم ہیں اور دین کا بہت ہی درد رکھنے والے طالب علم ہیں، کچھ عرصہ سے فکر اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث پر گاہے بگاہے کچھ پوسٹیں لگا رہے تھے۔ خیر اہل حدیث علماء سے اختلاف یا ان پر نقد تو کوئی ایسا ایشو نہیں ہے کہ جس پر کوئی جوابی بیانیہ تیار کیا جائے کہ کسی بھی مسلک کے علماء ہوں، ان سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اور ان پر نقد بھی ہو سکتا ہے لیکن فکر اہل حدیث ہماری نظر میں ایک ایسی شیء ہے کہ جس پر نقد کا جواب دینا ہم ایک دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور فکر اہل حدیث سے ہماری مراد کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت ہے جو کہ خود کتاب وسنت ہی کی دعوت ہے۔

مراد علوی صاحب کی اس تحریر میں رجوع الی القرآن کی ہر تحریک کو مارٹن لوتھر کی تحریک کا تاثر قرار دیا گیا تھا اور کچھ ایسا ہی موقف جناب حسن عسکری صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جدیدیت" میں بھی پیش کیا ہے کہ جس کا تفصیل سے رد ہم نے اپنے کتابچے "اسلامائزیشن آف سائنس" میں کیا ہے۔ فیس بک پر ہی ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور ان کا کہنا تھا کہ ہم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تحریک رجوع الی القرآن کو روایت ہی کا تسلسل سمجھتے ہیں البتہ اہل حدیث کے بارے ان کا کہنا تھا کہ ان میں جدیدیت ہے۔

تو اس کے جواب میں ہمارا کہنا یہ تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو روایت پسند ہونے کا تمغہ صرف اس لیے دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو نیم مقلد کہتے تھے جبکہ فقہ، کلام اور تصوف کی تینوں روایات کے بارے جو سختی اور ردان کے بیانات میں موجود ہے، اہل حدیث کے ہاں عام طور نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملتی۔ تو اہل حدیث کو بعض فکری احناف کی طرف سے صرف اور صرف مسلکی تعصب میں جدیدیت کا نمائندہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ بھی وہی نعرہ لگاتے ہیں یعنی رجوع الی القرآن جو اہل حدیث نے لگایا ہے یعنی رجوع الی الکتاب والسنۃ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے تو فقہ کو دور ملوکیت کی پروردہ، علم کلام کو قوالی اور مروجہ تصوف کو بدعت قرار دیا ہے۔ اب لوگ پڑھیں تو معلوم ہو کہ کس کا کیا موقف رہا ہے۔

تو اہل حدیث کو جدیدیت کا نمائندہ قرار دینا یہ مسلکی تعصب کا شاخسانہ ہے۔ اور مسلکی تعصب، مسلکی تعصب ہی کو جنم دیتا ہے۔ بہر حال اس کتابچے میں ہم نے بہت اچھے سے کتاب وسنت کی روایت کے ساتھ ساتھ فقہ، کلام اور تصوف کی روایتوں کے بارے فکر اہل حدیث کا موقف بیان کر دیا ہے۔ اور یہ وہی موقف ہے جو ائمہ اربعہ کا تھا۔ اور یہ وہی موقف ہے جو خیر القرون میں رائج تھا۔ اور یہ وہی موقف ہے جو صحابہ وتابعین کا تھا۔ اور یہ وہی موقف ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ روایت دو قسم پر ہے؛ ایک کتاب وسنت کی اور یہی اصل روایت ہے اور اس کی تو غیر مشروط اطاعت کی جائے گی اور اہل حدیث اس کے پورے طور قائل ہیں۔ اور رہی فقہ، کلام اور تصوف کی روایت تو اس کے ساتھ ہمیں تمسک اختیار کرنا ہے لیکن اس کی اصلاح کی پوزیشن لیتے ہوئے نہ کہ تقلیدی جمود کی کہ جس کا نتیجہ روایت پسندی نہیں بلکہ روایت پرستی ہے۔

ابو الحسن علوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت اور جدیدیت

کیا اہل حدیث جدیدیت کے نمائندہ ہیں؟

حسن عسکری صاحب کا اللہ بھلا کرے کہ جب وہ جدیدیت سے بیزار ہو کر "حنفی اسلام" سے مشرف ہوئے تو انہیں ہر فکری فساد اور برائی کی جڑ "فکر اہل حدیث" میں نظر آنے لگی اور انہوں نے ماڈرنٹی کے رد میں "جدیدیت" نامی کتاب کیا مرتب کی، کہ اسے مغربی فکر و فلسفہ کے ساتھ ساتھ فکر اہل حدیث کے خلاف ایک مقدمہ بھی بنا دیا۔ یوں حسن عسکری صاحب کی فکر سے متاثر ہو کر "فکری الیاس گھمن" پیدا ہونے شروع ہوئے جنہوں نے "رد جدیدیت" کے نام پر "رد اہل حدیث" کی تحریک چلانا شروع کر دی۔ تو فرقہ وارانہ بغض وعداوت سے نکلیں تو پتہ چلے ناں کہ اب لوگ اتنے بے وقوف نہیں رہے کہ آپ کبھی غامدی اور کبھی مغرب کا نام لے کر ان کی فکر کا رد شروع کر دیں اور انہیں سمجھ بھی نہ آئے کہ ان کا رد ہو رہا ہے۔ اب تو ایسے ایسے نمونے سامنے آرہے ہیں کہ جو یہ لکھ رہے ہیں کہ رجوع الی الکتاب کی ہر تحریک کسی نہ کسی طرح مارٹن لوتھر کی فکر سے متاثر ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فکر اہل حدیث کو جدیدیت کے ساتھ جوڑنا اس سے بڑا ظلم اور فکری فساد کوئی نہیں ہے اور یہ فساد حسن عسکری صاحب نے برپا کیا ہے کہ انہوں نے فکر اہل حدیث یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت کو مارٹن لوتھر کی تحریک کا تسلسل قرار دیا اور کہا کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع سے فکری فساد برپا ہو گا اور مشرقی لوگ بھی مغرب کی طرح مذہب بیزار ہو جائیں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مذہبیات حسن عسکری صاحب کا میدان نہیں تھا لہٰذا انہیں ادب کے ایک آدمی کو مذہبی مباحث میں جھک نہیں مارنی چاہیے تھی کہ ایک لکھاری کو اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے موضوع سے ہٹ کر نہ لکھے لیکن کم از کم تیاری کر کے تو لکھے ناں۔ حسن عسکری صاحب کی مذہبی فکر کا جائزہ ہم نے کئی ایک تحریروں میں علیحدہ سے لیا ہے اور اسے ایک کتابچے کی صورت بھی مرتب کر رہے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ حسن عسکری صاحب کی فکر، سر سید اور پرویز کے فکر سے زیادہ فسادی فکر ہے کیونکہ یہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی کتاب سے براہ راست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلق جوڑنے سے منع کرتی ہے اور یہ حق پادری کی طرح صرف مولوی کو دیتی ہے کہ وہی اللہ کی کتاب کو براہ راست سمجھنے کا حق رکھتا ہے، اس کے علاوہ نہیں۔

آج کل ہمارے کچھ حنفی دوست، فکر اہل حدیث میں ہر فکری فساد اور برائی کو تلاش کر رہے ہیں اور فکر اہل حدیث کا رد، غامدی، پرویز اور سر سید کی فکر سے بڑا فساد اور ثواب سمجھ کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک ایسی ہی تحریر دیکھی تو سوئی عصبیت جاگ اٹھی کہ کتاب وسنت کی فکر کے خلاف لوگ کیا کیا لکھ رہے ہیں اور ہم خاموش بیٹھے ہیں۔ تو عرض یہی ہے کہ ایسی سطحی تحریروں سے آپ فکر اہل حدیث کو مضبوط کرتے ہو، لوگوں کی اس کے ساتھ عصبیت بڑھاتے ہو، نہ کہ کم کرتے ہو۔ ٹھیک ہے اگر آپ کو اہل حدیث اور سلفی فکر سے اختلاف ہے تو چند تحریریں لگا لیں، ہم بھی کبھی کبھار بات کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ کیا کہ فکری الیاس گھمن بن کر فکر اہل حدیث کے خلاف ایک تحریک ہی شروع کر دیں اور ان کے بغض میں یہاں تک پہنچ جائیں کہ آپ کو "رجوع الی القرآن" کی ہر تحریک، مارٹن لوتھر کی فکر کا تسلسل محسوس ہو۔ ہمارے حنفی عالم دین دوست ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب سے ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا اہل حدیث، جدیدیت کے نمائندہ ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ان میں جدیدیت ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو گول مول سا جواب ہے۔ آپ اس سوال کا دو ٹوک جواب دیں کہ برصغیر پاک وہند کے اہل حدیث آپ کو جدیدیت کے حلقوں میں سے معلوم ہوتے ہیں یا آپ ان کا شمار روایت پسند حلقے میں کریں گے۔ تو ان کا جواب تھا کہ اوورآل تو میں انہیں روایت پسند ہی کہوں گا لیکن ان میں جدیدیت کے رجحانات ضرور موجود ہیں۔ تو میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ جتنا آپ کو ہم میں جدیدیت نظر آتی ہے، اتنی ہی ہمیں آپ میں پاپائیت نظر آتی ہے۔ تو یہ پھر محتاط بیان ہیں لیکن بعضے ایسے بھی ہیں جو اہل حدیث کو جدیدیت ہی کا نمائندہ شمار کرتے ہیں۔ تو بھئی اس کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ اہل حدیث کو جدیدیت کا نمائندہ وہی شمار کرے گا جو خود پاپائیت کا نمائندہ ہو گا کیونکہ فکر اہل حدیث سے سب سے زیادہ خوف اگر کسی طبقے اور حلقے کو ہو سکتا ہے، تو وہ پاپائیت کے نمائندگان ہیں کیونکہ فکر اہل حدیث، پاپائیت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ پاپائیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مراد دین عیسائیت میں پیدا ہونے والا وہ رجحان ہے کہ جس کے تحت عیسائیوں نے اپنے فقہاء اور صوفیاء کو رب بنالیا تھا۔ یہی رجحان بد قسمتی سے امت مسلمہ میں بھی ایک طبقے میں پیدا ہو گیا کہ جس کی اصلاح کے لیے تحریک اہل حدیث پیدا ہوئی تھی۔

جدیدیت کیا ہے؟

اس کے دو جواب ہیں؛ وہ لوگ جو جدیدیت سے متاثر ہیں تو وہ تو مغرب ہی سے اس کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے بقول "لوتھرازم" کا نام جدیدیت ہے یعنی مارٹن لوتھر متوفی [1546ء] کا یہ نعرہ کہ پوپ مجسم شیطان ہے اور پاپائیت یعنی پوپ اور پادریوں کی مذہبی اجارہ داری کا دین مسیح علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں اور ایک عام آدمی بھی خدا کے کلام کو سمجھنے کا ویسا ہی حق رکھتا ہے جیسا کہ پوپ اور پادری کو حاصل ہے، ان کے نزدیک جدیدیت کا نقطہ آغاز یہی ہے۔ اس طبقے کا خیال ہے کہ جب مارٹن لوتھر کی تحریک کے زیر اثر ایک عام عیسائی نے بائبل کا مطالعہ شروع کیا تو اسے مذہب پر اعتراضات پیدا ہوئے اور یوں عیسائی معاشرہ دن بدن مذہب بیزار ہوتا چلا گیا لہٰذا مسلمانوں میں بھی رجوع الی القرآن یا رجوع الی الکتاب والسنۃ یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کی جو بھی تحریکیں اور صورتیں ہیں، وہ دراصل مسلمان معاشروں کو مذہب بیزاری کی طرف لے کر جا رہی ہیں، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔[1] یہ لوگ اپنے تئیں اپنے آپ کو مغرب کا ناقد سمجھتے ہیں لیکن دراصل مغرب سے سب سے زیادہ متاثر مسلمانوں کا یہی طبقہ ہے جو مغرب پر نقد بھی مغرب ہی کے تصورات ادھار لے کر کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ مارٹن لوتھر کی تحریک کے زیر اثر عیسائیوں کو جس دین عیسائیت پر اعتراضات پیدا ہوئے اور جس دین سے وہ بیزار ہوئے تھے، وہ عیسی علیہ السلام کا لایا ہوا دین تھا، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ مارٹن لوتھر کے دور میں دین مسیح علیہ السلام موجود ہی نہ تھا بلکہ سینٹ پال متوفی 67ء

[1] حالانکہ اگر آپ بنظر غائر جائزہ لیں تو شروع اسلام میں جتنی گمراہ فکر پیدا ہوئی ہے، وہ علماء کے طبقے سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ عوام سے۔ معتزلہ کے فکر کو قاضی عبد الجبار، علامہ الشریف المرتضی، علامہ زمخشری جیسوں نے ہی تو پال پوس کر بڑا کیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا دین، عیسائیت کے نام پر موجود تھا۔ تو حامد کمال الدین صاحب نے بجا طور یہ سوال اٹھایا ہے کہ دین عیسائیت میں جدیدیت کی نسبت سینٹ پال کی طرف کیوں نہیں کی گئی کہ جس نے اصلاً شریعت موسوی کو ساقط کیا تھا اور پاپائیت کو جنم دیا اور مارٹن لوتھر ہی کی طرف کیوں اس کی نسبت کیوں کی گئی جبکہ وہ اس سے ڈیڑھ ہزار سال بعد آیا؟ تو یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کتاب وسنت سے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ سابقہ آسمانی ادیان میں انحراف کیسے اور کب پیدا ہوا؟

تو جدیدیت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس سوال کا جواب مغرب سے نہیں، کتاب وسنت سے حاصل کیا جائے۔ تو ٹھیک ہے جب آپ جدیدیت کے مغربی تصور کا رد کریں گے تو آپ مغرب ہی کی اصطلاح جدیدیت کی روشنی میں کریں اور انہوں نے جسے دور جدید کا ٹائم پیریڈ قرار دیا ہے، اسے ماننے میں حرج نہیں ہے لیکن جب آپ جدیدیت کے اس مغربی تصور کی روشنی میں روایت کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو اب آپ نے چیزوں کو خلط ملط کر دیا ہے کہ جدیدیت کا تصور تو مغرب کا لے لیا اور روایت کا تصور مشرق کا، مشرق کا بھی نہیں بلکہ مشرق میں موجود ایک خاص مذہب کا، مذہب کا بھی نہیں بلکہ اس مذہب کے پیروکاروں کی ایک مختصر سی جماعت کا۔ تو یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔ اگر آپ روایت سے دین اسلام کی روایت مراد لے رہے ہیں نہ کہ مشرق کے تمام مذاہب کی روایت یا جدیدیت سے پہلے کا دور جیسا کہ اہل مغرب کا روایت کے بارے ایک خاص تصور ہے تو جب آپ نے ان کا تصور روایت پوری طرح سے نہیں لیا تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ جدیدیت کی تعریف مغرب ہی سے لینی چاہیے۔ اگر روایت اور جدیدیت کا تقابل ہم نے مغرب ہی کی اصطلاحات کی روشنی میں کرنا ہے تو پھر روایت کا معنی بھی انہیں سے لیں۔ یہ تو نہ کریں کہ روایت کا معنی تو خود کا کر لیا اور جدیدیت کیا ہے، اس کے لیے مغرب کی طرف دیکھ لیں۔ تو ہمارا موقف یہ ہے کہ روایت کا جو معنی آپ کر رہے ہیں، ہمیں اس سے بوجوہ اتفاق ہے کہ آپ نے روایت کا یہ معنی روایت ہی کی روشنی میں کیا ہے لیکن ہمارا کہنا صرف اتنا ہے کہ جدیدیت کا معنی بھی اسی روایت کی روشنی میں سمجھ لیں۔

تو قرآن مجید نے دین عیسائیت میں جدیدیت کی بنیاد پاپائیت کے رائج ہونے کو بنایا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسائیوں نے اپنے فقہاء اور صوفیاء کو رب بنالیا تھا اور یہی دین عیسائیت میں جدیدیت کی ابتداء تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ [التوبة: 31]

"انہوں نے اپنے فقہاء اور صوفیاء کو بھی رب بنالیا اور عیسی ابن مریم کو بھی۔"

سنن الترمذی کی ایک صحیح حدیث کے مطابق عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، جو حاتم الطائی کے بیٹے تھے اور عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے، نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بھی کیا تھا کہ ہم تو اپنے فقہاء اور صوفیاء کی عبادت نہیں کرتے تھے تو قرآن مجید پھر یہ کیوں کہتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے عدی! کیا ایسا نہیں تھا کہ تمہارے فقہاء اور صوفیاء جس کو حلال کہتے تھے، تم حلال مان لیتے تھے۔ اور جسے حرام کہتے تھے، اسے حرام مان لیتے تھے تو یہی تو ان کو رب بنالینا ہے۔ تو جس دینی تعبیر یا مذہبی روایت میں فقہاء اور صوفیاء اخیر اتھارٹی (ultimate authority) بن جائیں، وہ دین خدا کا دین نہیں، دین جدیدیت ہے کہ جسے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا کہ جس دینی روایت میں "فصوص"[1] کو "نصوص" یعنی کتاب وسنت پر ترجیح دی جائے تو سمجھ لو وہ دین محمدی نہیں ہے۔ تو اخیر اتھارٹی تو صرف کتاب وسنت ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ علماء رستہ ہیں، منزل نہیں۔ تو ایک واسطہ ہونے کے اعتبار سے علماء کی حیثیت مسلم ہے اور اس کا انکار جہالت ہے لیکن علماء کو منزل بنالینا تو ایک دوسری انتہاء ہے۔

تو حامد کمال الدین صاحب کے سوال کا جواب یہ ہے کہ سینٹ پال جو اصلاً دین عیسائیت میں جدیدیت کا بانی ہے کیونکہ اس نے دین مسیح علیہ السلام کے متوازی عیسائیوں میں ایک نیا دین جاری کیا تھا اور اسے دین مسیح علیہ السلام کے نام سے رائج بھی کروالیا تھا، اس لیے جدیدیت کی اس کی طرف نسبت نہیں کی گئی کہ وہ سینٹ (saint) تھا، یعنی صوفی تھا اور اس طرح صوفی ازم پر زد پڑتی تھی۔ سینٹ پال کے احوال زندگی اٹھا کر دیکھ لیں تو وہ یہ کہتا تھا کہ خدا کا کلام مجھے دو طرح سے ملا ہے؛

---

[1] شیخ ابن عربی کی ایک کتاب کا نام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک حواریوں کے ذریعے سے جو ظاہر کلام ہے اور دوسرا مکاشفے یعنی کشف کے ذریعے سے میں نے یہ کلام براہ راست مسیح علیہ السلام سے حاصل کیا ہے اور یہی کلام کے اصل معنی ہے۔ تو ہمارے ہاں بھی جدیدیت یعنی دین اسلام کے مقابلے میں دین جدید کے بانی اصلاً وہی ہیں جنہوں نے یہ دعوی کیا کہ انہیں کلام الہی دو طریقوں سے ملا؛ ایک ظاہری طریقے سے یعنی قراء کرام سے اور یہ صرف الفاظ ہیں۔ اور اس میں وہ علماء وفقہاء کو بھی شامل کر لیتے ہیں کہ ان کے بقول وہ صرف ظاہر معنی تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں۔ اور دوسرا باطنی طریقے سے اور یہ کتاب کا اصل معنی ہے اور اس تک رسائی کشف ووجدان کے رستے ہوتی ہے کہ جسے وہ الہام کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اور بعض اس فرق کو شریعت اور طریقت کا نام سے بھی بیان کرتے ہیں۔

روایت پرستوں کے ہاں آپ عجب دوئی دیکھیں گے کہ وہ عصر حاضر کے متجددین کو تو یہ کہتے ہوئے جواب دیں گے کہ کتاب وسنت کی نصوص کے یہ معانی آج تک کسی نے بیان نہیں کیے یعنی اگر نص سے یہ معانی نکل سکتے ہوتے جو تم نے نکالے ہیں تو ہزاروں میں سے کسی ایک کا ذہن تو اس کی طرف جاتا لیکن جب صوفیاء ایسے معانی بیان کریں گے کہ جن کی طرف کسی ایک فقیہ کا بھی ذہن نہیں گیا تو یہ اسے الہام سمجھ کر قبول کرتے ہیں اور وحی سمجھ کر دفاع کرتے ہیں۔ تو ہم روایت پسند ضرور ہیں لیکن روایت پرست نہیں ہیں۔ قرآن مجید تو روایت پرستی کے خلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ [المائدة: 104]

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف آؤ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی [روایت] کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔"

تو کافر بھی روایت پر ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہندومت، بدھ مت، سکھ مت، جین مت، یہودیت اور عیسائیت حتی کہ ہر مذہب ایک روایت ہی تو ہے لیکن یہ آسمانی روایت نہیں ہے، وحی کی روایت نہیں ہے۔ جس روایت کے تمسک کا ہمیں حکم ہے، وہ وحی کی روایت ہے جو کہ مقبول ہو، وہ آسمانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے جو کہ محفوظ ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وہ روایت ہے جو کہ ثابت ہو۔ اگر آپ غور کریں تو مشرکین مکہ ایک روایت پر ہی تو تھے۔ وہ بھی تو یہی دعوی کر رہے تھے کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے میں ایک نئی بات کر رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو صابی کہتے تھے کہ جس کا آسان الفاظ میں ترجمہ دین جدیدیت کا حامل بنتا ہے یعنی ان کے آباء واجداد کے دین کے مقابلے میں آپ کا دین نیا ہی تھا۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ دین اسلام ہے، آپ ﷺ کا دین قدیم ترین دین تھا کہ جس کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا تھا۔ لیکن مشرکین مکہ کی روایت اور دین کے مقابلے میں دین اسلام ایک نیا دین ہی تھا کیونکہ یہ دین توحید تھا اور وہ دین شرک تھا۔

تو اگر معاشرے میں یہ بات نئی بھی ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو تو یہ روایت ہی رہے گی اور ایسا کہنے والے کو روایت پسند ہی کہا جائے گا۔ دوسری طرف معاشرے میں اگر کوئی ایسی روایت ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حیثیت کو فائنل اتھارٹی نہ رہنے دیتی ہو تو اس روایت کو رد کرنے کا حکم ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت اوپر نقل ہو چکی۔ تو ایک ہی روایت ہمارے لیے ایسی ہے جو کہ لازمی (binding) حیثیت رکھتی ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی روایت ہے۔ اور جو روایت اس روایت کے خلاف ہو گی، وہ مردود ہے۔ اور جو اس روایت کی شرح اور بیان ہو گی تو اس سے تمسک کا حکم ہے نہ کہ اس کی تقلید کا یعنی اس کی اتباع کی جائے گی دلیل کی بنیاد پر اور اصلاح کی پوزیشن لیتے ہوئے۔

تو چوتھی اور ساتویں صدی ہجری میں باطنی تحریک [esotericism] نے خدا کے کلام کے معانی متعین کرتے کرتے خالق اور مخلوق کے وجود کو ایک قرار دے کر خدا اور مخلوق کا فرق ختم کر دیا اور یوں اس امت میں شرک عظیم کا رستہ کھلا۔ اور جن لوگوں نے اس شرک عظیم پر تنقید کرتے ہوئے یہ نعرہ لگایا کہ ہمیں عقائد کے باب میں کتاب وسنت کی نصوص، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اربعہ کی تشریحات کی طرف رجوع کرنا چاہیے تو انہیں روایت کا ناقد قرار دے کر ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر جدیدیت کا لیبل لگا دیا گیا۔[1] اوپر سے بھولے لوگوں کو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہم باطنی نہیں ہیں، باطنی تفسیر اور تفسیر اشاری میں دھکے سے فرق بنا رکھا ہے حالانکہ علم الاعتبار اس کو کہتے ہیں جو ذہن میں ہو۔ تو تفسیر اعتباری ذہن میں ہوتی ہے۔ اور جب اس کا اظہار ہو جائے تو وہ تفسیر باطنی بن جاتی ہے۔[2] اعتباری معنی ذہن میں ہوتا ہے، جب زبان پر آ جائے تو وہ باطنی تفسیر بن جاتا ہے۔ آسان الفاظ میں تفسیر اعتباری کو سمجھنا ہو تو کسی ماہر عامل کو جھاڑ پھونک کے دوران آیات پڑھتے ہوئے سنیں کہ سحر زدہ شخص کے علاج کے لیے وہ ان آیات سے کیسے کیسے معانی مراد لے رہا ہوتا ہے لیکن وہ یہ معانی بیان نہیں کر رہا ہوتا، صرف مراد لے رہا ہوتا ہے، اور اس کی یہ مراد صرف اس کے ذہن میں ہوتی ہے۔ زبان تک آ جائے تو لوگ اسے پتھر مارنا شروع کر دیں کہ قرآن مجید کے ایسے معانی بیان کر رہا ہے! ایک عامل کو میں نے دیکھا کہ جنات کو جلانے کے لیے آیت مبارکہ "حَرِّقُوهُ" کا بار بار ورد کر رہا تھا۔ قرآن مجید کے کن الفاظ سے کیا معانی اس نے مراد لے لیے! میں ذاتی طور اس کے حق میں بھی نہیں ہوں کہ ذہناً ایسے معنی بھی مراد لیے جائیں، بھلے زبان پر نہ بھی آئیں کیونکہ قرآن مجید کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹے بغیر آپ وہ معانی ذہن میں بھی مراد نہیں لے سکتے۔ اور قرآن مجید کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹ کر پڑھنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

---

[1] ڈس کلیمر: ایک دوست نے کہا کہ حافظ صاحب جب ہم لوتھر ازم پر نقد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مغرب میں مذہب بیزاری کی اصل وجہ عوام کو کتاب مقدس کے براہ راست مطالعے پر راغب کرنے کی تحریک تھی تو آپ کو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ نقد پڑھ کر آپ کے ذہن میں اپنے مسلک کا نام ہی کیوں آتا ہے؟ تو ایسے دوستوں کے لیے عرض ہے ہماری اس مذکورہ بالا تحریر میں کس طبقے، گروہ یا مکتب فکر کے ساتھ مناسبت اتفاقی یا حادثاتی ہو سکتی ہے۔ اور اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ تحریر آپ پر نقد ہے یا فٹ ہوتی ہے تو پھر آپ یہ سوچیں کہ آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے کیونکہ ہماری تحریر تو پاپائیت کے رد میں ہے۔

[2] اس کی مزید تفصیل ہماری کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" کے پہلے باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت اور جدیدیت: علم فقہ

روایت کیا ہے؟ جن لوگوں نے سب سے پہلے جدیدیت کے مقابلے میں روایت کے تمسک کا نعرہ لگایا تھا، ان کی روایت سے مراد ہر مذہب کی روایت تھی۔ اسی لیے روایت پسندی کے مکتب فکر کے بانی رینے گینوں کے ہاں وحدت ادیان کے تصورات عام ملتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہندو روایت ہو یا بدھ، اسلامی ہو یا عیسائی، سب ایک ہی تصور توحید کی مختلف شکلیں یعنی فارمز ہیں۔ جدیدیت کے رد میں تشکیل پانے والا یہ تصور روایت جب فرانس سے سفر کر کے برصغیر پہنچا تو یہ روایت پرستی کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ مذہبی حلقوں میں جو لوگ تقلیدی جمود کا شکار تھے، انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جو کام رینے گینوں نے تمام مذاہب کی روایت کے ساتھ کیا کہ چونکہ وہ روایت ہے لہٰذا ہمیں اس کا دفاع کرنا ہے تو یہی کام ایک پڑھے لکھے مذہبی طبقے کی طرف سے یہاں فقہ، کلام اور تصوف کی ہر روایت کے ساتھ ہونے لگا۔

مذہبی روایت کے دفاع کا یہ کام اس بھونڈے طریقے سے ہوا کہ تقلیدی جمود کا شکار مذہبی طبقات نے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایت کو تو صحیح وغلط میں تقسیم کر دیا لیکن فقہ، کلام اور تصوف میں ہر روایت کا دفاع ایسے ہونے لگا جیسے کتاب وسنت کا دفاع ہو۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی "الموضوعات" یعنی موضوع اور من گھڑت احادیث کے مجموعے کو موضوع اور من گھڑت کہنے والے دوسری طرف تصوف کی کتب میں منقول ہر قسم کے دیومالائی قصوں اور کہانیوں کے لیے عقلی توجیہات تلاش کر رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایت پر تو نقد کرنے کے حق میں تھے لیکن "تذکرہ غوثیہ" اور "ارواح ثلاثہ" جیسی کتابوں میں منقول بزرگوں کی جھوٹی کرامات کو وہ بغیر سند بھی قبول کرنے کے لیے لڑنے مرنے کو تیار بیٹھے تھے۔

تو اوائل اسلام میں کتاب وسنت سے تمسک کے نتیجے میں تین قسم کی روایتیں یعنی فقہ، کلام اور تزکیہ وجود میں آئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ دین عیسائیت کی طرح دین اسلام میں بھی یہ روایات بھی بعض خرافاتی تصورات کی بھینٹ چڑھتی گئیں تو اللہ عزوجل نے وقفے وقفے کے ساتھ اس امت میں ایسے مجددین کو پیدا کیا کہ جنہوں نے ان روایات کے انکار کی بجائے، ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کی پوزیشن لی اور انہیں اسی طرح بحال کرنے کی کوشش کی جیسا کہ وہ خیر القرون میں تھیں۔ ان مجددین میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے تینوں روایات کو خیر القرون کے حال پر لوٹانے کی جدوجہد کی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی۔ فقہ کی روایت کے بانیوں میں ائمہ اربعہ تھے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک "عدم تقلید" بالکل مذموم نہ تھی۔

ائمہ اربعہ اجتہاد کے دعویدار تھے اور اسی کے داعی تھے۔ اگر غیر مقلد ہونا اتنی ہی برائی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی غیر مقلد تھے۔ اگر سلف کی تقلید لازم امر ہوتی تو ائمہ اربعہ خلفائے راشدین کی تقلید کرتے بلکہ اس کی دعوت دیتے کیونکہ ائمہ اربعہ کسی بھی اعتبار سے خلفائے راشدین سے بہتر نہیں تھے، نہ علمی و فقہی اعتبار سے اور نہ ہی ایمانی واخلاقی پہلو سے۔ تو ائمہ اربعہ کے سلف صالحین تو فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین تھے لیکن انہوں نے اپنے سلف صالحین کی تقلید نہیں کی اگرچہ ان سے علمی استفادہ ضرور کیا ہے۔ تو امام کرخی اور امام بزدوی رحمہما اللہ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قول صحابی کو اس صورت حجت نہیں مانتے تھے جبکہ وہ اجتہادی ہو۔ تو امام صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے اختلاف کے قائل تھے اور انہوں نے کیا بھی۔ تو امام بن تیمیہ رحمہ اللہ کی فکر یہی تھی کہ اگر ائمہ اربعہ، خلفائے راشدین یعنی ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی اجتہادی آراء سے اختلاف کر سکتے ہیں تو بعد میں آنے والے علماء، ائمہ اربعہ سے اختلاف کیوں نہیں کر سکتے!

اور ائمہ اربعہ نے کبھی بھی اپنی تقلید کی دعوت نہیں دی۔ یہ تقلیدی جمود تو تیسری چوتھی صدی ہجری کے فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جنہوں نے اپنے تئیں اجتہاد اور امام سے اختلاف کا دروازہ ہی بند کر دیا جو کہ خود امام کے قول کے خلاف تھا کہ چاروں فقہی مکاتب فکر کے ائمہ سے ایسے اقوال بکثرت موجود ہے کہ ہمارے قول کے مقابلے میں تمہیں اگر کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے قول کو دیوار پر دے مارنا یا ترک کر دینا۔ تو یہ تقلیدی جمود خود ائمہ اربعہ کی فقہی روایت کی خلاف ورزی اور اس سے انحراف تھا۔ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فقہ کی روایت کو اس کی اصل پوزیشن میں لے جانے کی کوشش کی کہ جس میں وہ ائمہ اربعہ کے دور میں موجود تھی۔ اور وہ پوزیشن یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ علماء اجتہاد کریں گے اور عوام الناس ان کی اتباع کریں گے۔ تو یہ آخری جملہ اہم ہے، اس پر غور کریں۔

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ سب اجتہاد کریں اور مجتہد بن جائیں جیسا کہ متجددین کا قول ہے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ سب تقلید جامد کا شکار ہو جائیں اور مقلد محض بن جائیں جیسا کہ روایت پرستوں کا انداز ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ امت میں اس وقت دو طبقات موجود ہیں بلکہ ہر دور میں یہی دو طبقات رہے ہیں؛ علماء اور عوام۔ علماء اجتہاد کریں گے اور عوام ان کی اتباع کریں گے۔ اتباع سے مراد یہ ہے کہ عوام الناس اپنے علماء سے مسئلے کے ساتھ اس کی دلیل بھی پوچھ لیا کریں گے، بھلے دلیل یعنی قرآن مجید کی آیت یا حدیث وغیرہ انہیں سمجھ نہ بھی آئے تو بھی وہ دلیل مانگیں گے اور اسے سنیں گے کہ اس کا کم از کم فائدہ یہ ہو گا کہ ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو جائے گا کہ وہ کتاب وسنت کی پیروی کر رہے ہیں نہ کہ اشخاص وافراد کی۔

اور احناف کے علماء اور مفتیان کرام کی اکثریت بھی اب مسئلے کے ساتھ دلیل بھی نقل کرتی ہے، اور یہ بہت اچھا رویہ ہے، بھلے انہوں نے اہل حدیث کے اثر میں اختیار کیا ہو۔ تو احناف کے علماء کے اس رویے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ تو اب یہ کہنا کہ مغرب میں بھی "دلیل کے دور" نے ہی جدیدیت کو جنم دیا تھا، انتہائی سطحی بات ہو گی کہ مغرب میں جسے دلیل کا دور [Age of Reason] کہا جاتا ہے، اس دور میں دلیل سے مراد عقلی دلیل تھی جبکہ فکر اہل حدیث میں جب دلیل کی بات کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ آج کا دور دلیل کا دور ہے تو دلیل سے ان کی مراد نقلی دلیل ہوتی ہے یعنی کتاب وسنت کی دلیل نہ کہ عقلی دلیل۔ اور ان کی "دلیل کے دور" کے نعرے کا مذاق اڑانا دراصل خود روایت ہی کا مذاق اڑانا ہے۔

تو اصل مسئلہ فقہ کی روایت میں بھی یہی ہے بلکہ تصوف کی روایت میں بھی کہ بندے کا تعلق مفتی اور شیخ سے تو جڑ جاتا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے نہیں جڑ پاتا۔ ایک عامی محبت کا جو تعلق اپنے مفتی اور شیخ کے لیے محسوس کرتا ہے، وہ کم ہی اسے اللہ اور اس کے لیے رسول ﷺ کے لیے محسوس ہو پاتا ہے۔ تو علماء اور شیوخ کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک پہنچانے کے لیے ایک رستے کی سی ہے، لیکن بعض اوقات وہ خود منزل بن جاتے ہیں تو فرد کی ترقی رک جاتی ہے۔ وہ شیخ کی محبت جس طرح سے محسوس کر پاتا ہے، اسے ویسی حسی محبت اللہ سے محسوس نہیں ہو پاتی۔ وہ مفتی کے علم سے جس قدر مرعوب ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے علم کا رعب اس پر اس طرح سے طاری نہیں ہو پاتا ہے۔ اور آسان الفاظ میں سمجھاتا ہوں کہ محرم میں آپ کسی مجلس میں شرکت کر لیں تو آپ کو ایسے ایسے فضائل و مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سننے کو ملیں گے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے میں چھوٹے معلوم ہوں گے، معاذ اللہ۔ اب محرم کی مجالس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہی کتنے فی صد ملتا ہے؟ یہی حال بعض دوسرے مسالک کا بھی ہے کہ ان کی وعظ و نصیحت کی مجالس میں ائمہ اور صوفیاء کی اطاعت اور تقلید کے مناقب و فضائل تو خوب بیان ہوں گے لیکن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور تقلید کا ذکر کم ہی ملے گا۔

تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عوام جڑ جائیں نہ کہ علماء و شیوخ سے تو یہ تبھی ممکن ہو گا جبکہ عالم اور شیخ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ تک پہنچانے والا رستہ بن جائیں نہ کہ منزل۔ تو ہم علماء اور شیوخ کی اہمیت کے انکاری نہیں ہیں کیونکہ رستے کے بغیر آپ منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ تک پہنچنے کا رستہ یہی علماء اور شیوخ ہی تو ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اب رستے کو ہی لوگوں نے منزل بنا لیا ہے، یہ ایک اور غلو پیدا ہوا ہے جو روایت کے ماننے والوں میں در آیا ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ تو ہم آسان الفاظ میں روایت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اس سے تمسک اختیار کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی پوزیشن لینے کے قائل ہیں۔ اور یہ اصلاح کی پوزیشن علماء لیں گے اور ہر دور میں لیں گے اور یہی اجتہاد ہے۔ تو روایت پسندی اور روایت پرستی میں یہی فرق ہے۔ ہم روایت پسند ضرور ہیں لیکن روایت پرست بالکل بھی نہیں ہیں۔

اور شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ دونوں اصول اور فروع دونوں میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف رکھتے تھے، نہ کہ صرف فروعات میں۔ اور وہ دونوں مجتہد مستقل تھے۔ تو ہم تمام فقہوں کو فقہ اسلامی کے درخت کی شاخیں مانتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان میں ترجیح کے قائل ہیں، ویسے ہی جیسا کہ احناف کے ہاں "اصحاب ترجیح" ہوتے ہیں۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب یعنی حنفی مذہب میں مروی مختلف اقوال میں ترجیح قائم کرتے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک اصل منہج یہ ہے کہ تمام فقہوں کے فقہی ذخیرے سے برابر طور استفادہ کرتے ہوئے "ترجیحی اجتہاد" کیا جائے یعنی ایک قول کو دوسرے پر بوجوہ ترجیح دی جائے اور یہی علماء کے کرنے کا کام ہے۔ اور یہ کام بغیر کسی تعصب کے کیا جائے تو اس کا فائدہ ہو گا۔

اور یہ کہنا کہ ہر فقہ اپنے ایک اصولی نظام کا نتیجہ ہے، لہٰذا ان میں ترجیح جائز نہیں ہے تو اس کا ایک جواب تو اوپر گزر چکا کہ فقہائے احناف میں بھی اصول کا فرق ہے جیسا کہ امام صاحب اور صاحبین میں اصولی فرق بھی موجود ہیں اگرچہ کم ہیں۔ اور جن اہل علم نے حنفیّہ کے متقدمین اصولیین کی کتب اصول کا مطالعہ کیا ہے، وہ بھی فقہائے احناف کے اصولی اختلافات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تو جب ایک مذہب میں اصولی اختلاف موجود ہے اور وہاں اس اصولی اختلاف کے باوصف "اصحاب ترجیح" بھی موجود ہیں تو یہ دلیل یہ ثابت کرتی ہے کہ متقدمین فقہائے احناف کے نزدیک اصولی اختلاف، فقہی فروعات میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دینے میں مانع نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصولوں میں بہت کچھ ائمہ میں اتفاق موجود ہے جیسا کہ مصادر اصلیہ یعنی کتاب وسنت تو سب کے ہاں متفق علیہ مصادر شریعت ہیں جبکہ اجماع اور قیاس کے مصادر شریعت ہونے میں بھی بہت حد تک ائمہ کا اتفاق ہے۔ رہے بقیہ مصادر شریعت یعنی قواعد عامہ تو ان میں بھی کم ہی اختلاف ایسا ہے کہ جسے حقیقی اختلاف کہا جا سکتا ہو۔ اگر ایک امام مصلحت مرسلہ کو مستقل مصدر کے طور استعمال کرتا ہے تو دوسرا امام اسے قیاس کی بحث کے تابع کر دیتا ہے اور یہ ایک پہلو سے اصول میں فروعی اختلاف بن جاتا ہے۔ اصول میں اصولی اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ رہی قواعد لغویہ عربیہ کی بحث یعنی کتاب وسنت کی نصوص سے استنباط اور استدلال کے نظام کی روایتیں تو وہ تین ہی ہیں؛ ظاہری، حنفی اور شافعی۔ حنفی اور شافعی روایت استدلال میں بھی مصطلحات کا فرق زیادہ ہے جبکہ حقیقی فرق بہت کم ہے جیسا کہ احناف مفہوم مخالف کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قائل نہیں ہیں جبکہ شوافع وغیرہ قائل ہیں۔ لیکن یہ اختلافی استدلال بھی کتنی فقہی فروعات میں بطور ایک مستقل دلیل کے استعمال ہوا ہے؟ بہت ہی کم۔

مجھے تقابلی فقہ میں ابن رشد کی "البدایہ" اور سید السابق کی "فقہ السنہ" وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا ہے تو میرے علم میں ہے کہ مفہوم مخالف کے قائلین کے ہاں بھی کسی مسئلے میں اول تو مفہوم مخالف سے استدلال ہی بہت کم ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہو تو بھی اکثر وبیشتر کوئی اور دلیل بھی ساتھ میں موجود ہوتی ہے۔ اور وہ دلیل وہ ہوتی ہے جو دوسروں کے نظام استدلال میں بھی قابل قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم اگر مباحث حکم کو لے لیں؛ حکم تکلیفی ہو یا وضعی تو اس کے نظام مراتب میں فرق بہت کم ہے۔ حنفی نظام میں حکم تکلیفی کی سات قسمیں ہیں تو شوافع کے ہاں پانچ ہیں لیکن یہ پانچ اور سات کی تقسیم بھی کوئی بڑا فرق نہیں ہے کہ عقائد کے باب میں سب سات ہی کے قائل ہیں۔ تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہر فقہ کا اصولی نظام دوسری فقہ کے اصولی نظام کی مخالفت کی پوزیشن لیے ہوئے ہے کہ اگر واقعتاً میں یہی معاملہ ہو تو یہ تمام فقہیں، مکاتب فکر نہیں مختلف ادیان کہلانے کے لائق ہیں۔ تو صحیح بات یہی ہے کہ فقہائے احناف میں جس قدر اصولی اختلاف موجود ہے، اسی قدر اصولی اختلاف بقیہ فقہوں کے ساتھ بھی ان کا ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ فقہائے احناف کے آپسی اور دوسری فقہوں سے اصولی اختلاف کی نوعیت میں بھی کوئی خاص یا بڑا فرق نہیں ہے تو یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

"ترجیحی اجتہاد" یعنی بہت سے فقہی اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی تحریک عصر حاضر میں شیخ یوسف القرضاوی نے چلائی ہے اور پاکستان میں اس کے داعیان میں ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رحمہ اللہ تھے۔ اور برصغیر کے اکابر اہل حدیث علماء کا تو شروع سے ہی یہی منہج رہا ہے کہ وہ اپنے فتاوی میں فقہ حنفی کے مصادر سے بھی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں جیسا کہ ہم "فتاوی نذیریہ" کو دیکھیں تو فتاوی میں جا بجا کتاب وسنت کے ساتھ فقہ حنفی کے مصادر کا حوالہ بھی موجود ہوتا ہے۔ اور شیخ الکل فی الکل علامہ نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کہیں فقہ حنفی کی روایت ہی کو کتاب وسنت کی روشنی میں ترجیح دے رہے ہوتے ہیں اور کہیں حنفی فقہی روایت سے اختلاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے کسی اور فقہی روایت کو کتاب وسنت کی روشنی میں ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ تو فقہ، شریعت نہیں ہے بلکہ اس کا فہم ہے۔ شریعت تو متن ہے یعنی کتاب وسنت کا متن۔ تو دوام متن کو حاصل ہے نہ کہ فہم کو۔ فہم تو بدلتا رہتا ہے۔ تو ہمارا روایت کے بارے نقطہ نظر یہی ہے کہ اصلاً روایت، شریعت ہے اور وہ کتاب وسنت کا عربی متن ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ رہی فقہ واجتہاد تو یہ شریعت کا فہم ہے لہٰذا ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں بلکہ ایک سے زائد ہیں۔ امت میں اگرچہ اس وقت رائج فقہیں آٹھ ہیں یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری، اباضی، زیدی اور جعفری لیکن کتابوں میں آپ کو اٹھارہ بیس مل جاتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فقہ کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ نہیں، اس کی اہمیت کم نہیں ہوئی کیونکہ جب آپ عمل کرتے ہیں تو آپ اپنی فقہ یعنی فہم شریعت پر ہی عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ تو عمل کی جہت سے فقہ کی اہمیت مسلم ہے۔ تو فقہ، شریعت کا غیر بھی نہیں ہے لیکن عین شریعت بھی نہیں ہے، یہ فکر اہل حدیث ہے۔ شریعت کا غیر تو اس لیے نہیں ہے کہ وہ شریعت کا فہم ہے۔ اور شریعت کا عین اس لیے نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مجتہد کبھی اجتہاد کرتا ہے تو خطا کر جاتا ہے یعنی اللہ کا حکم معلوم نہیں کر پاتا لیکن اس کے لیے اجر پھر بھی ہے، یہ اہم بات ہے۔ اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یہ اجر مجتہد کے لیے ہے۔ اور مجتہد ہر کوئی نہیں ہے لیکن یہ بھی نہیں کہ اب قیامت تک کوئی نہیں ہو سکتا، یہ ایک دوسری انتہاء ہے۔

تو مجتہد کی شرائط پوری کرنے والے علماء ہر دور میں رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ جب یہ علماء جو اجتہاد کے اہل ہوں، اپنی مقدور بھر محنت کریں، اور ان کی نیت خالص ہو یعنی مسلکی تعصب سے اٹھ کر محض اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہیں تو ان تین شرائط یعنی اہلیت، محنت اور اخلاص کے بعد اگر کسی سے اللہ کا حکم معلوم کرنے میں خطا ہو جائے تو بھی اس کے لیے آخرت میں اجر ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی کہ جنہوں نے اس کے اجتہاد پر عمل کیا، چاہے وہ اجتہاد غلط ہی تھا۔ اور یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ کبھی فقہ، اللہ کا حکم ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ جب وہ اللہ کا حکم ہو تو اس پر عمل کا دوگنا اجر ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب وہ اللہ کا حکم نہ ہو تو اس پر عمل کا ایک گنا اجر ہے۔ تو فقہ پر عمل کے اعتبار سے اجر دونوں صورتوں میں محفوظ ہے کیونکہ فقہائے مذاہب میں اہلیت، محنت اور اخلاص تینوں شرائط موجود تھیں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ فی زمانہ نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد تو سب مکاتب فکر کے علماء کر رہے ہیں تو یہ کہنا غلط ہو گا کہ وہ مجتہد نہیں ہیں۔ اگر وہ مجتہد نہیں ہیں تو ان مسائل میں فتوی کیوں دے رہے ہیں کہ جو جدید مسائل ہیں جیسا کہ اسلامی بینکاری، اعضاء کی پیوند کاری اور انشورنس وغیرہ۔ بس ہمارا ان سے اختلاف صرف اتنا ہے کہ وہ علماء جو نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کر رہے ہیں اور اسے "اجتہاد انشائی" کہتے ہیں، وہ ان مسائل میں بھی اجتہاد کریں کہ جن پر فقہاء اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں لیکن یہ اجتہاد، اجتہاد انشائی نہیں بلکہ ترجیحی اجتہاد ہو گا یعنی اس اجتہاد کا مقصد فقہ کی کل روایت سے نکلنا نہیں بلکہ فقہی روایات میں موجود اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینا ہو گا اور یہی فکر اہل حدیث ہے۔

فقہی آراء اور اجتہادی اقوال کو بھی شریعت کی طرح دائمی مان لینا اسے شریعت کے مقابل لانے کے مترادف ہے۔ تو ہر دور میں علماء اجتہاد کریں گے اور عوام ان کی اتباع کریں گے، بس اتنی سی بات ہے۔ علماء جدید مسائل میں "انشائی اجتہاد" یعنی نیا اجتہاد کریں گے کیونکہ وہ پہلے نہیں ہوا اور قدیم مسائل میں "ترجیحی اجتہاد" کریں گے لیکن صرف اپنی فقہ کے دائرے میں رہتے ہوئے نہیں بلکہ تمام فقہوں کو فقہ اسلامی تصور کرتے ہوئے یعنی دین اسلام کی مختلف شاخیں سمجھتے ہوئیں، اس میں ترجیح قائم کریں گے۔ تو تمام فقہیں الگ الگ درخت نہیں ہیں بلکہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ تو درخت کی کسی بھی شاخ کا پھل آپ اتار لیں تو وہ اسی درخت کا پھل ہی شمار ہو گا لیکن اس میں بھی حرج نہیں ہے کہ آپ ایک ہی درخت کے پھل میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں کہ مجھے اس درخت کا یہ نہیں بلکہ وہ پھل لینا ہے کہ درخت کے پھل پھل میں بھی فرق ہوتا ہے اگرچہ زیادہ نہیں ہو گا لیکن سب پھل ایک جیسے بھی نہیں ہوتے، یہ بھی ایک امر واقعہ ہے۔

تو کسی امتی کے فہم کا امت کو قیامت تک کے لیے پابند نہیں کیا جا سکتا البتہ صرف ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت میں۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ اس فہم پر تمام ائمہ دین کا اتفاق ہو جائے کہ جسے ہم اصطلاح میں امت کا اجماع کہتے ہیں۔ تو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کا فہم بعض اوقات قطعی الدلالۃ ہوتا ہے یعنی اس میں کسی دوسری رائے یا فہم کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا سب فقہاء کے نزدیک اس کے معنی و مفہوم پر اتفاق ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اور شریعت ایک ہو جاتی ہے یعنی آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بندے نے جو کتاب وسنت سے سمجھا ہے، وہی متکلم کی منشا اور مراد بھی ہے۔ لیکن اگر نصوص ظنی الدلالۃ ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ غالب گمان کے مطابق ہماری فقہ ہی متکلم کی منشا اور مراد ہے لیکن ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی دعوی کر سکتے ہیں کہ یہی متکلم کی مراد ہے۔ اسی مقام پر پہنچ کر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ہر فقیہ اپنے نزدیک مصیب یعنی صحیح رائے تک پہنچنے والا جبکہ دوسرے کے نزدیک مخطی یعنی خطا کار ہے۔

تو ہم نص کے جس معنی پر عمل کر رہے ہیں کیا وہی معنی اللہ کی بھی مراد ہے تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں؛ ایک یہ کہ وہی معنی اللہ کی بھی مراد ہو اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ نص قطعی الدلالۃ ہو یا اس کے مفہوم پر اجماع ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہمارا گمان غالب یہ ہے کہ یہی اللہ کی مراد ہو تو ایسی صورت میں نص ظنی الدلالۃ ہوتی ہے۔ تو ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین امت نے فقہی روایات کو اسی معنی میں اس امت میں اپنے قول و فعل سے جاری کیا ہے اور یہی فکر اہل حدیث ہے۔ فقہ کے معاصر روایتی تصورات بعد کی صدیوں کے انحرافات ہیں کہ جس میں فقہی جمود کو روایت پسندی بنا دیا گیا ہے حالانکہ وہ روایت پرستی ہے۔ البتہ فقہی جمود کے فوائد اپنی جگہ ہیں، ہم ان فوائد کے انکاری نہیں ہیں لیکن اس کے نقصانات، اس کے فوائد سے بڑھ کر ہیں اور خاص طور جس زمانے میں ہم قدم رکھ رہے ہیں یعنی اکیسویں صدی میں تو اس میں علماء نے اگر اس مسئلے کی طرف توجہ نہ دی تو وہ اس خلاء کو پورا نہیں کر پائیں گے کہ جسے پورا کرنے کے لیے متجددین کی ایک پوری کھیپ تیار ہو چکی ہے اور انہوں نے معاشرے میں وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ جو علماء کے پاس ہونا چاہیے تھا۔

تو ہم یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ آپ اپنی فقہ کو چھوڑ دیں۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی فقہ کے علاوہ دوسری فقہوں سے بھی استفادہ کریں گے تو تبھی وہ بیانیہ ایجاد کر پائیں گے جو آج کے جدید انسان کو ذہنی اور قلبی طور مطمئن کر پائے گا۔ آج کے انسان کو کسی ایک فقہی روایت کا پابند بنا کر دین اسلام کی روایتی تعبیر کو اس کے گلے میں کسی کڑوی دوائی کی طرح انڈیلا تو جا سکتا ہے لیکن یہ کہ وہ دین اسلام پر عمل میں اپنے نفس، قلب اور ذہن کے لیے سکون، اطمینان اور راحت بھی پائے تو یہ ایک ہی فقہ کی پیروی کی صورت میں بہت ہی مشکل کام ہے۔ اب زمانہ اور حالات بہت بدل چکے ہیں۔ اگر علماء کا طبقہ اس کا اعتبار نہیں کرے گا تو پھر معاشرے میں بہت سے لوگ ان کی جگہ سنبھالنے کو بیٹھے ہیں۔

تو تجدد پسندی کے مقابلے میں تو فکری اہل حدیث تینوں روایات یعنی فقہ، کلام اور تزکیہ میں سے کسی بھی روایت کے انکار نہیں، بلکہ اصلاح کی پوزیشن لینے کے قائل ہیں۔ اور اصلاح سے مراد ان تینوں روایات کو خیر القرون اور ائمہ اربعہ کے دور کے حال پر لے کر آنا ہے۔ تو بھئی شانت رہیں، ہم آپ کو اہل حدیث نہیں بنانا۔ ہمارے پاس کوئی ڈربہ نہیں ہے کہ جس کے لیے مرغیاں کم پڑ گئی ہوں اور ہمیں مزید کی ضرورت ہو۔ اور اب خوف کی اس نفسیات سے نکل آئیں کہ جس میں آپ کو صدیوں سے رکھا گیا ہے کہ کہیں آپ اپنے مکتب فکر اور مسلک سے نہ نکل جائیں۔ اور اگر نکل بھی جائیں تو کیا ہو گا، کیا اسلام سے نکل جائیں گے! برصغیر پاک و ہند میں اس حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا کردار ایک نمونہ ہے کہ انہوں نے فقہی روایت میں تجدید کا کام کیا۔ تو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ بن جائیں لیکن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلنے میں تو کوئی حرج نہیں۔

اگر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اتنا لکھ دیا ہے کہ ہمیں فقہ حنفی کی مختلف روایات میں سے اس روایت کو ترجیح دینی چاہیے کہ جس کی تائید دیگر ائمہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہو تو یہ کہنا بھی تقلیدی جمود کے اس دور میں ایک بہت بڑی بات تھی بلکہ بہت سو تو آج بھی یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر جامعہ بنوریہ کراچی کی ویب سائیٹ پر جامعہ کے دار الافتا سے جاری کردہ ایک فتوی دیکھنے کو ملا کہ جس کے مطابق ولی کے بغیر نکاح فقہ حنفی میں جائز لیکن بے غیرتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ معلوم نہیں ان مفتی حضرات کو کیا ہو گیا کہ فتوی جاری کرتے وقت سوچتے بھی نہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں۔ کیا اس فتوی کے ذریعے مفتی صاحب سائل کو یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ فقہ حنفی بے غیرتی کی تعلیم دیتی ہے! مفتی حضرات کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ تقلیدی جمود کا شکار ہیں کہ وہ فتاوی جو فقہاء نے ایک خاص ماحول اور وقت میں دیے تھے، وہ آج انہی فتاوی کو بعینہ لاگو کیے جا رہے ہیں حالانکہ آج عرف، ماحول اور معاشرہ تبدیل ہو چکا ہے اور بعض قدیم فقہاء کی بعض آراء کو بعینہ جاری کرنے سے معاشرے میں تہذیبی اور ثقافتی بگاڑ پیدا ہو گا۔ پس مفتی حضرات کی یہ جماعت تقلیدی جمود کی وجہ سے فقہاء کے قول سے بھی باہر نہیں نکل پاتی اور مفتی بہ قول کے مطابق فتوی جاری کرنے سے پیدا ہونے والے معاشرتی بگاڑ کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ان مفتی حضرات کی ایک بڑی غلطی یہ بھی ہے کہ یہ اپنی فقہ کے بنیادی مصادر کا مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی فقہ کے ابتدائی مآخذ کا مطالعہ کر لیں تو انہیں وہاں ہی اتنی وسعت مل جائے کہ وہ تقلیدی جمود کے نتیجے میں اِس قسم کی شطحیات جاری کرنے کی بجائے اَصحاب ترجیح کی طرح فقہی ذخیرے میں سے اُن اقوال کا انتخاب کر کے فتوی جاری کریں کہ جن میں معاشرے کی اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔ لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے فقہ حنفی میں سات اقوال مروی ہیں جیسا کہ شرح ہدایہ فتح القدیر میں یہ ساتوں روایات موجود ہیں۔ دو امام ابو حنیفہ سے ہیں۔ دو امام محمد سے اور تین قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ سے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ باکرہ کا اپنے ولی کے بغیر نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے اور یہ ظاہر الروایہ ہے۔ امام صاحب سے مروی دوسری روایت کے مطابق کفو اور برابری میں جائز ہے جبکہ غیر کفو میں نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ ولی کی اجازت پر نکاح موقوف ہو جائے گا یعنی ولی اجازت دے گا تو منعقد ہو جائے گا اور اگر نہیں دے گا تو باطل رہے گا۔ انہی سے مروی دوسری روایت ہے کہ انہوں نے ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کر لیا تھا یعنی ولی کے بغیر نکاح مطلقاً جائز ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق ولی کے بغیر نکاح بہر صورت باطل ہے۔ دوسری روایت ہے کہ کفو اور برابری میں جائز ہے اور غیر کفو میں نہیں۔ تیسری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے کہ مطلقاً جائز ہے۔ اب یہ ساتوں روایات امام صاحب اور صاحبین سے کتب فقہ میں منقول ہیں۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ امام صاحب اور صاحبین کے متعدد اقوال میں سے پہلا کون سا ہے اور بعد والا کون سا ہے۔ اب اس کے لیے "اصحاب ترجیح" کی طرف رجوع کیا گیا۔ یہاں پہلا سوال تو یہ پیدا ہوا کہ یہ تقرری کون کرے گا کہ فلاں "اصحاب ترجیح" میں سے ہے اور فلاں نہیں ہے؟ تو جس نے یہ طے کیا تو اصل تقلید اس کے قول کی ہوئی حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ایک صاحب جو حنفی مدرسہ سے دس سال لگا کر مفتی کی ڈگری حاصل کرتے ہیں، آپ انہیں تلفیق کی نہ سہی کم از کم اتنی اجازت تو دیں کہ وہ اپنے مذہب یعنی فقہ حنفی ہی میں موجود مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دے کر سائل کر مسئلہ حل کر سکیں نہ کہ آپ اپنے فقہی ذخیرے میں موجود متنوع اقوال میں سے بھی ایک ہی قول کا پابند بنا کر مفتیوں کو بھی تقلید جامد پر لگا دیں۔ اگر مفتی صاحب نے دس سال لگانے کے بعد بھی اپنے مذہب میں ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کی اہلیت نہیں ہے اور انہوں نے "فتاوی شامی" دیکھ کر ہی فتوی بتلانا ہے تو بہتر یہی تھا کہ فتاوی شامی کا آسان فہم اردو ترجمہ اور شرح شائع کر دی جاتی کہ عوام براہ راست استفادہ کر لیتے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جن مسائل میں "اصحاب ترجیح" کوئی ترجیح قائم کر چکے ہیں وہاں اس ترجیح کا ریوائز کرنا بھی ممنوع ہے۔ بہر حال اس مسئلے میں اہل ترجیح کا اختلاف ہو گیا کہ متقدم قول کون سا ہے اور متاخر کون سا ہے۔ مثلاً قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے معاملہ میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ متقدم ترین قول ولی کے بغیر مطلقاً نکاح کے جواز کا ہے جبکہ متاخر ترین قول ولی کے بغیر نکاح بہر صورت نہ ہونے کا ہے یعنی امام طحاوی رحمہ اللہ کی ترجیح کے مطابق قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور اہل الحدیث کا ہے۔ امام سرخسی رحمہ اللہ نے کہا کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا متقدم قول ولی کہ بغیر بہر صورت نکاح نہ ہونے کا ہے جبکہ متاخر ترین قول ولی کے بغیر مطلقاً نکاح کے جائز ہونے کا ہے۔ پس ان دونوں "اصحاب ترجیح" میں اختلاف ہو گیا اور یہ ترجیح قائم کرنے کے لیے دلائل دونوں کے پاس نہیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی، اب ایک اور صاحب ترجیح آتے ہیں جو یہ بتلاتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی اقوال میں طحاوی رحمہ اللہ اور سرخسی رحمہ اللہ کی ترجیح میں سے سرخسی رحمہ اللہ کی ترجیح کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔ اب سرخسی کی ترجیح کو ترجیح قرار دینے والے کی بات کو بنیاد بناتے ہوئے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف متعین ہوتا ہے۔ اس سارے میکانزم میں اصل کون ہے؟ وہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ متوفی 1252ھ ہیں جو بلاشبہ بہت راسخ عالم دین ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہر حال نہیں ہیں کہ ان سے اختلاف کو اتنا بڑا مسئلہ بنا دیا جائے۔ اور معاصر مفتی حضرات "فتاوی شامی" اور "فتاوی عالمگیری" سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہی وہ تقلیدی جمود ہے کہ جس کے رد عمل میں برصغیر میں اہل حدیث کی تحریک پیدا ہوئی۔

اور مفتی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں ایک دڑبے سے دوسرے دڑبے میں شامل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی چھوڑ کر اہلحدیث ہو جائیں بلکہ ہم یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اہل حدیث کو حنفی فقہاء کے فقہی ذخیرے سے استفادہ کرنا چاہیے اور حنفی علما کو اہل الحدیث اور دیگر فقہی مذاہب کے علمی ذخیرہ سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ کسی مسئلے میں تقابلی فقہی مطالعہ سے اس کے جمیع پہلو نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور ایک معتدل رائے اختیار کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور محدثین کی فقہ، سب اسلامی فقہ ہے اور ہمارے علما کو بغیر کسی تعصب کے اس اسلامی فقہی ذخیرے سے یکساں طور استفادہ کرنا چاہیے۔ اور اس عظیم اسلامی فقہی ذخیرے سے عصر حاضر کے مسائل کا جواب دیا جائے گا تو فتوی بہت حد تک معتدل ہو گا۔ اور اگر آپ اس اسلامی فقہی ذخیرے کی کسی ایک شاخ میں اپنے آپ کو محدود کر لیں گے تو پھر اسی قسم کے فتاوی سامنے آئیں گے کہ جس کی مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

تو کرنے کا کام یہ تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے فقہی روایت کو فقہی جمود سے نکالنے کے جو قدم اٹھایا تھا، اس قدم پر مزید کچھ اور قدم اٹھائے جاتے لیکن بد قسمتی سے احناف کے ہاں ایسا ہو نہ سکا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے بعد ان کی مسند علمی ان کے بڑے بیٹے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے سترہ سال کی عمر میں 1763ء میں سنبھالی۔ اور 1824ء میں ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وفات کے بعد یہ مسند ان کے بیٹے شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ نے سنبھالی۔ اور 1841ء میں شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے مکہ المکرمہ چلے جانے کے بعد ان کے شاگرد رشید سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے اس مسند کو سنبھالا اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی فکر کو آگے بڑھایا۔ سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند میں فکر اہل حدیث کے بانی بھی شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے حنفی فقہی روایت کو تقلیدی جمود سے نکال کر ترجیحی اجتہاد کی راہ پر ڈالا۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر علاقوں میں فکر اہل حدیث انہی کے شاگردوں کے توسط سے پھیلی اور ان کے شاگردوں میں مولانا محمد لکھوی، مولانا عبد اللہ غزنوی، حافظ عبد المنان وزیر آبادی، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا غلام رسول قلعوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں بلکہ بعض انگریز مصنفین نے تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تک کو آپ کا شاگرد کہہ دیا۔

بہر حال دوسری طرف مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے 25 سال بعد 1866ء میں دار العلوم دیوبند قائم کیا۔ اور ان کی وفات کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کی سربراہی سنبھالی۔ اور ان دونوں علماء میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اصلاحی اور تجدیدی فکر کے آثار کہیں کہیں نظر آتے ہیں لیکن بعد ازاں دیوبند کا ادارہ بھی ایک روایتی ادارہ بن کر ہی رہ گیا۔ تو برصغیر کے بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث علماء سب کا علمی شجرہ نسب عام طور سے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے ہی ہو گزرتا ہے اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے علمائے عرب سے بھی استفادہ کیا ہے یا ان کے پاس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ بھی علمی اسناد موجود ہیں لیکن ایسا بہت کم ہے۔ ہمارے ہاں شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بحث تو بہت پیدا ہوئی کہ وہ حنفی تھے یا اہل حدیث اور ہر کسی نے ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے کہ ہر کسی کو ان کے ہاں اپنا عکس نظر آ جاتا ہے لیکن ان کی فکر کو اپنانے کی فکر بہت کم رہی ہے۔ اور دو لفظوں میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی فکر نہ تو موجودہ احناف کی طرح کے فقہی جمود کا شکار تھی اور نہ ہی موجودہ اہل حدیث کی طرح انہیں فقہ سے کوئی چڑ ان تھی کہ اجتہاد کا نعرہ لگا کر انہوں نے ائمہ مذاہب کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالمقابل کسی نئے مذہب کی بنیاد کی دعوت دی ہو۔ وہ فقہی روایت سے تمسک اختیار کرتے ہوئے اس کی اصلاح کے قائل تھے اور یہی ان کی تجدیدی مساعی تھی۔

تو جس نے ان کے فقہ کے ساتھ تمسک کو دیکھا تو اسے لگا کہ وہ مقلد تھے لہٰذا انہوں نے انہیں حنفی ہونے کا ٹیگ لگا دیا اور جس نے ان کی فقہ میں تجدیدی مساعی اور اصلاحی کاوشوں کو دیکھا تو اس نے انہیں اہل حدیث کہہ دیا۔ اور بات دونوں کی درست تھی لیکن آدھی تھی لہٰذا ہماری نظر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ "حنفی اہل حدیث" تھے یعنی ایسے حنفی کہ جن میں اہل حدیثیت کا رجحان واضح طور موجود تھا۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فقہ کی اس حیثیت کو زندہ کرنے کی کوشش کی کہ جو اسے ائمہ اربعہ کے دور میں حاصل تھی اور اسی معنی میں وہ مجدد تھے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس اصلاحی تحریک کو سوائے سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے مکتب فکر کے اور کسی نے آگے نہیں بڑھایا۔ اب آکر البتہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رحمہ اللہ نے "کوسموپولیٹن فقہ" کے نام سے ایک نئی فقہ اسلامی کی داغ بیل ڈالنے کی بات کی تھی لیکن انہیں یونیورسٹی کے ماحول میں بھی ایسے روایت پرست مخالفین مل گئے کہ یہ فکر عام نہ ہو سکا اور سطحی قسم کی منطقی دلیلوں سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

پھر یہ سطحی ذہن ہے کہ روایت اور جدیدیت میں فرق کرنے کے لیے کسی کی آراء اور فتاوی کو دیکھنا شروع کر دیں نہ کہ ان کے پیچھے کارفرما اصول وضوابط پر غور کریں۔ اگر محض شاذ آراء کی وجہ سے کسی پر جدیدیت کا فتوی لگتا تو تمام فقہاء پر یہ فتوی بڑی آسانی سے لگ سکتا ہے کہ بڑے سے بڑے فقیہ کے ہاں آپ کو کچھ ایسے فتاوی مل جاتے ہیں کہ اگر آپ ان کے نام کے بغیر بیان کریں تو لوگ فتوے لگا دیں۔ تو اس کو چھوڑیں کہ فلاں کی فقہی رائے یہ ہے اور فلاں کی یہ، اصل شیء وہ اصول اور نظام فکر ہے کہ جس پر کوئی مکتب فکر قائم ہے۔ تو غامدی صاحب سے ہمارا اختلاف اصول کا اختلاف ہے اور ہم نے ان کے رد میں "فکر غامدی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے جو کتاب مرتب کی ہے، تو اس میں بھی ان کے اصولوں پر رد کیا ہے، نہ کہ فروعات پر۔ فروعات میں سے تو غامدی صاحب کے بعض فتاوی سے احناف کو اتفاق ہو سکتا ہے اور بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اہل حدیث کو جیسا کہ غامدی صاحب تصوف کو ایک متوازی دین کہتے ہیں اور یہی بیانیہ تصوف کے بارے میں سلفی اہل علم کا بھی ہے۔ البتہ وہ مروجہ تصوف کو متوازی دین کہتے ہیں لیکن سلف صالحین زہد اور تقوی کے اہتمام کو تزکیہ واحسان کے نام سے قبول کرتے ہیں۔ اور فقہاء کی آراء کی طرف دیکھیں تو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تراویح کی نماز میں عورت کی مردوں کے لیے امامت کے قائل ہیں۔ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی زنا کی وجہ سے کسی مرد کی بیٹی بنتی ہے تو اس سے باپ کا نکاح جائز ہے کیونکہ وہ اس کا شرعی باپ نہیں ہے اور شرعی باپ وہ ہوتا ہے جو نکاح سے باپ بنے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سور کا صرف گوشت نجس ہے کہ قرآن مجید میں "لحم خنزیر" کو نجس کہا گیا اور کتے کا تو کچھ بھی نجس نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید نے اس کے شکار کو جائز کہا ہے اور حدیث میں جو کتے کے جوٹھے برتن کو دھونے کا حکم ہے تو یہ عباداً ہے۔ داود ظاہری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اگر میاں بیوی مباشرت کر لیں لیکن انزال نہ ہو تو غسل فرض نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتوی ہے کہ نماز اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت فارسی میں بھی کر سکتا ہے، بھلے عربی میں آتی ہو۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ موسیقی حلال ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مشت زنی جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو فروعات کی بنیاد پر جدیدیت کا حکم لگانا چھوڑیں، اصولوں پر بات کریں اگر کوئی علمی بات کرنی ہے تو۔ اس طرح کے سطحی رد سے تو کوئی بھی جدیدیت کے فتووں سے نہیں بچ پائے گا، آپ کے فقہاء بھی۔

روایت اور جدیدیت: علم الکلام

تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ روایت سے مراد "کتاب وسنت کا متن" ہے اور اس کا سب سے بڑا خاصہ اور امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک ہی ہے اور سب کے نزدیک وہی ہے۔ پھر اس روایت کے فہم اور اس پر عمل کی جہت سے تین تبعی روایتیں وجود میں آئیں؛ فقہ، کلام اور تزکیہ واحسان۔ پہلی کے بارے ہم گفتگو کر چکے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہی روایت یعنی کتاب وسنت کے فہم کی روایت ایک نہیں ہے بلکہ متعدد ہیں اور ان میں سے کسی ایک ہی کی پابندی کی کوئی نقلی و عقلی دلیل موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان فقہی روایتوں کے بانی آئمہ کرام نے کبھی بھی یہ مطالبہ کیا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے فہم شریعت کو شریعت کی طرح کا دوام حاصل ہو۔ فقہ نہ تو شریعت کا عین ہے اور نہ ہی غیر لہٰذا نہ تو فقہی جمود کا رویہ درست ہے اور نہ ہی فقہ سے رد عمل اور چڑان رکھنا صحیح ہو گا۔

ان آئمہ کرام کی جدوجہد کا خلاصہ صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے زمانے کے علماء تھے جنہوں نے اجتہاد کیا اور عام لوگ ان اجتہادات میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ اور اب آنے والے زمانوں میں علماء اپنے زمانے کے احوال وظروف کے مطابق اجتہاد کریں گے اور ان کے زمانے کے لوگ ان کی اتباع کریں گے جیسا کہ ان آئمہ میں سے کسی نے بھی اپنے کسی شاگرد کو اپنے سے اختلاف پر منع نہیں کیا، ابو حنیفہ نے ابو یوسف و محمد کو، امام شافعی نے مزنی کو، امام مالک نے ابن القاسم اور ابن وہب کو اور امام احمد بن حنبل نے امام بخاری وغیرہ کو رحمہم اللہ۔ البتہ ان آئمہ اربعہ کو بعد میں آنے والے علماء پر اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے اور رہے گی کہ وہ کتاب وسنت سے استدلال واستنباط کے جمیع اسالیب ومناہج یعنی اصول فقہ طے کر گئے کہ جس میں اب اصولی اضافے کی عملاً گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔

رہی کلام کی مروجہ روایت تو ائمہ اربعہ شروع ہی سے اس کے مخالف رہے کیونکہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ علم کلام کی تدوین دراصل یونانی منطق سے پروان چڑھنے والی عقلی موشگافیوں کی بنیاد پر عقائد اسلام کا کوئی نیا ورژن تیار کرنے کی سازش تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے علوم وفنون حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو ایک ایک فن کو کھنگالا لیکن جب علم الکلام کو دیکھا تو مجھے اس کا انجام برا محسوس ہوا اور فائدہ کم۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل بدعت سے بچو۔ تو ان سے پوچھا گیا کہ اہل بدعت کون ہیں ؟ تو انہوں نے کہا کہ علم کلام والے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متکلمین کے بارے میرا فتوی یہ ہے کہ انہیں جوتے مارے جائیں اور گلیوں میں پھرا کر کہا جائے کہ یہ ہے وہ شخص جس نے کتاب وسنت کو ترک کر دیا اور علم کلام پر متوجہ ہوا۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کلام سے بچ کر رہو۔ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کلام حاصل کرنے والا زندیق بن جاتا ہے۔

اس صورت حال میں جبکہ ارسطو کی منطق کی روشنی میں علم کلام مدون ہو رہا تھا، امام ابو حنیفہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ آگے بڑھے اور "الفقہ الاکبر" کے نام سے ایک بے مثال کتاب مرتب کی جو علم العقائد میں صحابہ وتابعین کی علمی روایت کا تسلسل تھی۔ بعد ازاں ملا علی القاری رحمہ اللہ نے اس کی بے نظیر شرح مرتب کی۔ دوسری طرف امام طحاوی رحمہ اللہ نے عقیدہ طحاویہ کا متن مرتب کیا تو ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھ کر وہ حق ادا کر دیا جو ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری لکھ کر ادا کیا تھا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جمیت اور اعتزال کا رد کرتے کرتے خود متاخرین فقہاء میں اشعریت اور ماتریدیت کے عقلی مناہج بھی رواج پا چکے تھے کہ جن کے تحت کتاب وسنت کی نصوص کی تفہیم میں یونانی منطق اور عقلی موشگافیاں اہمیت اختیار کرتی چلی گئی تھیں یہاں تک کہ امام غزالی رحمہ اللہ جیسے متکلم کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ امام مالک، شافعی، احمد، سفیان الثوری اور محدثین عظام اس علم کلام کو حرام سمجھتے تھے رحمہم اللہ۔[1]

اُن حالات میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ نعرہ لے کر اٹھے تھے کہ ہمیں عقائد میں اشعریت اور ماتریدیت سے پیچھے ائمہ اربعہ سے اپنی نسبت کو جوڑنا چاہیے کیونکہ ائمہ اربعہ ہی کی روایت وہ روایت ہے جو علم العقائد میں صحابہ وتابعین کے منہج پر ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کی اس روایت کو "سلفی روایت" کا نام دیا۔ انہوں نے کہا کہ ائمہ اربعہ نہ تو اشعری تھے اور نہ ہی ماتریدی، وہ سلفی تھے یعنی عقائد اور خاص طور توحید اسماء وصفات کے بیان میں صحابہ وتابعین کے منہج پر تھے۔ اور اس منہج کے احیاء کے لیے یہ کہا کہ "عقل صحیح" اور "نقل صریح" میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور جنہیں نظر آرہا ہے تو یا تو ان کی عقل صحیح نہیں ہے یا پھر ان کی نقل خراب ہے۔ اور اس منہج پر انہوں نے "درء تعارض العقل والنقل" جیسا شاہکار تصنیف فرمایا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ارسطو کی اس منطق کی دھجیاں بکھیر دیں کہ جس پر مسلمان فلاسفہ اور متکلمین نے اپنے فلسفیانہ اور کلامی مکاتب فکر کی بنیاد رکھی تھی۔ تو یہ دراصل کلامی روایت کی

[1] یہی حال عصر حاضر میں جدیدیت کا رد کرنے والوں کا بھی ہوا ہے کہ مغربی فکر وفلسفہ کا رد کرتے کرتے وہ رد عمل میں ایک دوسری انتہاء کی طرف نکل گئے ہیں کہ روایت پسندی کو روایت پرستی بنا دیا ہے جو کہ کتاب وسنت کا فکر نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کی پوزیشن تھی کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ علم العقائد کی روایت کو ائمہ اربعہ کی تعلیمات کی روشنی میں بحال کرنا۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ جب ایسے مسائل میں اختلاف کر رہے تھے کہ "تکلیف مالا یطاق" یعنی اللہ عزوجل کا مخلوق کو ایسی چیز کا مکلّف بنانا کہ جس کی وہ طاقت نہ رکھتی ہو، جائز ہے یا نہیں؟ نبی کے لیے مرد ہونا شرط ہے یا نہیں؟ ایمان، مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ اسم اور مسمّٰی [جس کا اسم ہے] ایک ہی شیء ہیں یا نہیں؟ اہل ایمان کا ہمیشہ جہنم میں رہنا اور کافروں کا ہمیشہ جنت میں رہنا نقلاً اور عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟ کفر کا گناہ عقلاً معاف ہو سکتا یا نہیں؟ اور ان میں سے ایک گروہ ایک طرف تھا اور دوسرا دوسرے موقف کا حامل تھا تو ان حالات میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی تو تھے کہ جنہوں نے علم العقائد میں ائمہ اربعہ کی روایت کا احیاء کیا کہ ائمہ اربعہ، دین میں ایسی عقلی موشگافیوں اور بحثوں کو پسند نہیں کرتے تھے کہ صحابہ و تابعین نے اسے پسند نہیں کیا تھا حالانکہ ایسے سوالات ان کے سامنے بھی آتے تھے۔

تو روایت کے نام پر ہر چیز کو گلے لگا لینا درست منہج نہیں ہے کہ بدعت بھی ایک روایت ہی ہوتی ہے، لیکن ایسی روایت ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ تو بس ہم اسی روایت کے حجت ہونے کے قائل ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچتی ہو اور حجت روایت تو کہتے ہی اسی کو ہیں۔ اور جدیدیت کہتے ہیں، ایسی روایت سے انحراف کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچتی ہو۔ تو آسان الفاظ میں ہر سنت، روایت ہے اور ہر بدعت، جدیدیت ہے۔ روایت اور جدیدیت اسلامی بیانیے کے مطابق یہی ہے۔ تو کلامی روایت کی اصلاح کی پوزیشن لینے والوں میں امام ابو حنیفہ، امام طحاوی، ملا علی القاری اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اس کے داعی مولانا عبدالحیی لکھنوی رحمہ اللہ تھے لیکن ان کے بعد کسی عالم دین کو اس اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانے کی توفیق نہ ہوئی سوائے فکر اہل حدیث کے نمائندگان کے۔ البتہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے اس پر کچھ بات کی ہے لیکن انہوں نے یہ تو لکھ دیا کہ سلف صالحین کا مذہب صفات باری تعالی میں تاویل کا نہیں ہے لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ تاویل کا انکار کر کے تفویض کی طرف مائل ہو گئے۔ البتہ مولانا عبد الحیی لکھنوی رحمہ اللہ نے تو صاف لکھا ہے کہ صفات باری تعالی میں حقیقی معانی جاری ہوں گے، کیفیت کا اعتبار کیے بغیر، اور یہی سلف صالحین کا مذہب اور مسلک حق ہے۔ تو سلفیت بھی ایک کلامی مکتب فکر ہے، اس معنی میں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقل صحیح کی روشنی میں اسے جو عقلی بنیادیں فراہم کر دی ہیں، وہ کسی اور کلامی مکتب فکر کے حصے میں بہت کم آئی ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے توحید اسماء و صفات کے باب میں سلف صالحین کے موقف کو عقلی بنیادوں پر ثابت کر کے دکھا دیا۔

روایت اور جدیدیت: تزکیہ واحسان

کتاب وسنت پر عمل کی جہت سے جو عظیم روایت اس امت میں پیدا ہوئی، اس کے لیے کتاب وسنت کی اصطلاح "تزکیہ واحسان" کی ہے۔ میں "تصوف" کی اصطلاح استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہوں کہ ایک تو یہ لفظ کتاب وسنت میں نہیں ہے اور دوسرا اسے کتاب وسنت کی اصطلاح "تزکیہ واحسان" کی جگہ دے دی گئی ہے جو کہ روایت سے انحراف ہے۔ ایک لیکچر میں پروفیسر رفیق اختر صاحب کسی سائل کو بتلا رہے تھے کہ "تصوف" کی اصطلاح اس طرح سے سنت میں ہے کہ یہ لفظ اصحاب "صفہ" سے نکلا ہے۔ عجب استدلال ہے کہ "تصوف" کا مادہ "ص۔و۔ف" ہے جبکہ "صفہ" کا مادہ "ص۔ف۔و" ہے۔ اور ساتھ میں سائل سے بڑے اعتماد سے پوچھ رہے تھے کہ عربی میں گفتگو کروں یا اردو میں؟ خیر ہمیں ان کے علم سے کیا لینا دینا، آپ خود ہی سن کر کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ باقی ہمارے نزدیک اس لفظ کا مصدر یونانی لفظ "تھیوسافی" ہے اور یہ عربی الاصل لفظ نہیں ہے، نہ اشتقاقاً اور نہ ہی قیاساً، اور یہی ماہرین لغت کی رائے ہے۔

جس طرح فقہ اور کلام کی روایت میں انحرافات پیدا ہوئے، اسی طرح تزکیہ واحسان کی روایت بھی بہت سے انحرافات کا شکار ہوئی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تینوں روایات میں جو روایت سب سے زیادہ محفوظ رہی ہے، وہ فقہ کی روایت ہے۔ لیکن جب ہم روایت پسند ہونے کی بات کرتے ہیں تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں؛ ایک کتاب وسنت کی روایت کو بلا قیل و قال حجت ماننے والے اور دوسرا ان تینوں علمی روایات سے تمسک اختیار کرنے والے ان کی اصلاح کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوزیشن لینے والے۔ تو تصوف کی تاریخ کا بھی اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو یہ چار ادوار سے گزرا ہے۔ پہلا دور کہ جس میں تصوف یا صوفی کی اصطلاح موجود نہ تھی۔ اس دور میں عبادت کا زیادہ شوق کرنے والے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے والے اہلِ احسان موجود تھے جنہیں زہاد یا صلحاء کہا جاتا تھا۔ زہد اور احسان ان کی نمایاں خصوصیات تھیں جیسا کہ صحابہ کی جماعت میں عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابو درداء رضی اللہ عنہما یا تابعین میں حضرت حسن بصری اور سعید بن مسیب رحمہما اللہ وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے جو کہ خیر کا دور ہے۔ امام ابن تیمیہ اولین صوفیاء حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ کو بھی اسی دور کا ایک تتمہ قرار دیتے ہوئے ان کی عام طور تعریف کرتے ہیں اگرچہ زمانی اعتبار سے یہ حضرات تابعین کے بعد کے زمانے کے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا دور جو کہ تبع تابعین سے شروع ہوا، وہ تھا کہ جس میں تصوف کی اصطلاحات وجود میں آئیں اور رفتہ رفتہ آنے والی نسلوں میں زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے حوالہ سے کچھ نئے تصورات متعارف ہوئے اور اس دور کی انتہاء امام غزالی رحمہ اللہ پر ہوئی جنہوں نے "إحیاء علوم الدین" میں ایک طرف تو ضعیف اور موضوع روایات بھی جمع کر دیں اور دوسری طرف عزلت نشینی کو جمعہ وجماعت کی نماز پر ترجیح دی۔ علامہ ابن جوزی نے امام غزالی رحمہ اللہ کی اس کتاب کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اسی حوالے سے اپنی کتاب "منہاج القاصدین" مرتب کی تھی۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے کہ اس میں خیر کا پہلو بھی موجود ہے اور شر کا بھی جبکہ خیر کا پہلو غالب ہے۔

تصوف کا تیسرا دور وہ ہے جبکہ یونانی فلسفے کے زیر اثر نظریاتی تصوف نے جنم لیا اور شیخ اکبر ابن عربی نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے کہ جس میں صوفی کی توجہ نہ صرف اپنے اصل مقصود یعنی اعمال قلوب اور اخلاق ورذائل سے ہٹ گئی بلکہ شریعت بھی جاتی رہی۔ شیخ ابن عربی کے معاصر اہل علم میں فقہائے حنفیّہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی ایک بڑی جماعت نے اس نظریہ کو کفر اور شرک قرار دیا۔[1] اب تصوف عمل سے زیادہ نظریہ بن گیا اور

[1] چاروں فقہوں سے تعلق رکھنے والے کوئی اڑھائی سو کے قریب فقہاء کی آراء میں نے دیکھی ہیں کہ جن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صوفی کو اصلاح نفس سے زیادہ فکر، عرفان نفس کی ہو گئی۔

تصوف کا چوتھا دور وہ ہے جس سے ہم آج گزر رہے ہیں کہ مداریوں اور کرتب دکھانے والوں کی کثرت ہے جو لوگوں کی دنیا اور دین دونوں تباہ کرنے کے لیے تلے بیٹھے ہیں۔ یا تو ایسی بڑی بڑی گدیاں اور سجادہ نشین ہیں کہ جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یا پھر سلاسل کی بچی کھچی لڑیاں ہیں کہ جن کے سالکین کو اپنے شیخ کے روحانی مقام اور مرتبے یا اپنے سلسلے کی دوسرے سلاسل پر فضیلت کی وجوہ بیان کرنے سے فرصت نہیں ہے۔ تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تصوف کے تیسرے دور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تصوف کی روایت کی اصلاح کی پوزیشن لی تو یہ کہا کہ تصوف کی جو روایت سیدۃ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے تصدیق نہ پائے تو وہ حقیقی تصوف نہیں ہے۔

واضح رہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے توحید کی جو تعریف بیان کی تھی، وہ شیخ ابن عربی کو پسند نہ آئی اور انہوں نے اس کا انکار کر دیا کیونکہ اس تعریف سے ان کے تصور وحدت الوجود کی جڑ کٹتی تھی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ تھا کہ بندگی و عبادت کے ذوق و شوق سے جو احوال سالک پر طاری ہوتے ہیں، ان کے سچا یا جھوٹا ہونے کے لیے ہمیں کوئی معیار مقرر کرنا پڑے گا اور انہوں نے اس میں سیدۃ الطائفہ کو معیار بنایا۔ بعد ازاں شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی ابن عربی پر یہ کہہ کر نقد کیا کہ وہ وہاں نہیں پہنچ پایا تھا جہاں ہم پہنچے ہیں اور نیچے رہ گیا تھا۔ اور اگر وہ وہاں پہنچ پایا ہوتا تو وہ وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کرتا۔ شیخ ابن عربی کے نزدیک مخلوق کے وجود کی اصل "اعیان ثابتہ" ہیں تو مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے نزدیک "اعدام متقابلہ"۔ شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کو "ہمہ اوست" یعنی ہر چیز خدا ہے، قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ شیخ ابن عربی اور شیخ مجدد الف

ابن عربی کی شخصیت اور نظریے کو نہ صرف رد کیا گیا ہے بلکہ اکثریت نے کفر بھی قرار دیا اور بعضوں میں تکفیر بھی کی بلکہ کافر ثابت کرنے کے لیے کتابیں بھی لکھیں اور ان میں حنفی فقہاء پیش پیش رہے۔ اپنے ایک آرٹیکل میں ایسی چالیس کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے جو میری کتاب "مکالمہ" میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثانی رحمہ اللہ دونوں "ظلی وجود" کے قائل تھے اور یہ ان میں قدر مشترک تھی اور اسی قدر مشترک کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جیسوں کو غلط فہمی لاحق ہو گئی کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں جبکہ ذرا غور سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے جیسا کہ خود شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وحدت الوجود "ہمہ اوست" ہے جبکہ وحدت الشہود "ہمہ از اوست" ہے۔

شیخ ابن عربی نے یہ کہا تھا کہ ظاہر وجود نے اعیان ثابتہ کے آئینے میں منعکس ہو کر ظلی وجود کی صورت اختیار کی ہے تو شیخ اکبر کے نزدیک ظلی وجود بھی خدا ہی ہے جبکہ شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ ظاہر وجود کے اسماء و صفات باری تعالی کے "اعدام متقابلہ" کے آئینے میں انعکاس سے ظلی وجود حاصل ہوا ہے تو ان کے ہاں ظلی وجود، خدا کے وجود سے علاوہ ہوا۔ بد قسمتی سے شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی اس اصلاحی تحریک کو نقشبندیہ سلسلے میں کوئی قابل ذکر شخص آگے لے کر نہیں بڑھا، سب روایت پرست بن کر بیٹھے رہے۔ زیادہ تر نے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سطحی تاویل کہ دونوں ایک ہی ہیں، کو مان لیا یہ کہہ کر کہ حضرت شاہ رحمہ اللہ سے بڑھ کر کون وحدت الوجود کو سمجھتا ہو گا لیکن اگر وہ اتنی زحمت کر لیتے کہ شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو براہ راست پڑھ لیتے اور سمجھ بھی لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے زیادہ شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ وحدت الوجود کو جانتے تھے، علماً بھی اور حالاً بھی۔

تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو میں مجدد مانتا ہوں لیکن فقہی روایت میں البتہ تصوف کی روایت کے مجدد بر صغیر پاک و ہند میں شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ہیں۔ اور ان کے بعد عملی تصوف میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا اصلاحی کام بہت اہم ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر میں اپنی اس کتاب میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی بعض عبارتیں بغیر ان کا نام لیے نقل کر دوں تو متصوفین کی ایک بڑی جماعت مجھ پر فتوے لگا دے اور یہ فیس بک پر ہو بھی چکا۔ وہ تو اللہ عزوجل نے ایک بندے سے کام لے لیا سو لے لیا اور انہیں ایسی شخصیت بھی دے دی کہ لوگوں نے ان کی اصلاحی بات ان کے اس مقام کی وجہ سے خاموشی سے سن لی۔ کچھ نے قبول کر لی اور کچھ نے حکمتاً خاموشی اختیار کر لی اور یہ بھی غنیمت تھی۔ ہماری نظر میں کرنے کا اصل کام یہ تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ان کی اصلاحی تحریک کو آگے بڑھاتے تو تصوف کی یہ روایت خیر القرون کے منہج پر پورے طور واپس آ جاتی لیکن بد قسمتی سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو ایسے جرات منداور مجتہد خلفاء میسر نہ آ سکے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور بعض دوسرے اہل علم نے بھی اگرچہ ایک مثبت کام یہ کیا کہ وحدت الوجود کی ایک ایسی عامیانہ تعبیر کر دی کہ جس پر کفر اور شرک کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور اسے وحدت الوجود کے نام سے عام کر دیا۔ بہر حال یہ بھی ایک بڑی کامیابی تھی لیکن وحدت الوجود کی سٹینڈرڈ تعبیر وہی شمار ہوتی ہے جو شیخ ابن عربی نے کی ہے، البتہ نہ تو وہ قائلین کو سمجھ آتی ہے اور نہ ہی منکرین کو، الا ماشاء اللہ۔ وحدت الوجود کی جو عامیانہ تعبیر کی گئی، وہ یہ تھی کہ وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ بندے کو اللہ عزوجل کی طرف اتنی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے غافل ہو جائے یعنی ہر چیز اس کے لیے ایسے ہو جائے جیسا کہ وہ ہے ہی نہیں۔ اور ایسی یکسوئی بعض اوقات لیبارٹری میں کام کرنے والے سائنسدان کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اسمارٹ فون پر گیم کھیلتے بچے کو بھی کہ وہ دنیا کی ہر چیز سے غافل ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے گرد و پیش سے بھی اور انہیں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ تو ایسی تعبیر کو کفر یہ یا شرکیہ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی یہ کفر اور شرک ہے۔ یہ بندے کے احوال میں سے ایک حال ہے۔ باقی اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ استغراق یعنی اس قدر یکسوئی کے ساتھ عبادت کہ بندہ اپنے ماحول سے بھی غافل ہو جائے، دین اسلام میں پسندیدہ ہے یا نہیں۔ تو مجھے یہی سمجھ آتی ہے کہ انفرادی عبادت میں حاصل ہو جائے تو حرج نہیں لیکن جماعت کی عبادت میں پسندیدہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھاتے تھے تو بچے کی رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دیتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کو جماعت کی نماز میں بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک حنفی پیر صاحب کے پاس ایک دوست ملاقات کے لیے لے گئے جو مسجد میں حالت اعتکاف میں تھے۔ وہ بیعت ارشاد کی اہمیت پر زور دینے لگے اور فرمانے لگے کہ اس کے بغیر تزکیہ نفس ممکن نہیں ہے۔ تو میں نے سوال کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی شاگردوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا تزکیہ نفس ہوا تھا یا نہیں ؟ کہنے لگے کہ ہوا تھا۔ تو میں نے دوسرا سوال پوچھا کہ انہوں نے کس کی بیعت ارشاد کی ہوئی تھی اور آگے کتنے شاگردوں سے بیعت ارشاد لی تھی ؟ تو پھر وہ مجھے مسجد کے دروازے تک چھوڑنے آئے۔ تصوف سے اگر آپ کی مراد اخلاق حسنہ سے متصف ہونا، رذائل نفس سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور عبادت میں احسان پیدا کرنا ہے تو ہم اس کے قائل ہیں اور یہی تزکیہ واحسان ہے۔ اور اگر بیعت سے آپ کی مراد کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھنا ہے تاکہ اس سے اپنی اصلاح کے لیے رہنمائی لے سکیں تو یہ بھی مسنون عمل ہے اور اس میں کسی کو کیا اختلاف ہو سکتا ہے کہ صحبت صالحین کا اثر ہوتا ہے اور یہ مسلم امر ہے۔

لیکن اگر آپ کی تصوف سے مراد پیری مریدی کی بیعت، مراقبے، چلے، رقص و قوالی، جہری ذکر، پاس انفاس، دل پر "اللہ ہو" کی ضربیں لگانا ہے تو ہم اس سب کچھ کو تزکیہ واحسان کی نبوی روایت سے انحراف سمجھتے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے کون تھا جو "اللہ ہو" کی ضربیں لگاتا تھا؟ کیا صحابہ کرام قوالی سنتے تھے ؟ کیا تابعین عظام فرقہ مولویہ[1] کے جیسا رقص کرتے تھے ؟ یہ سب کچھ کہاں سے لے آئے ہو ؟ اور پھر ان خرافات کو روایت کے نام پر امت میں جاری کرنا چاہتے ہو ؟ متاخرین میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا تصوف کی روایت کی اصلاح کے حوالے سے کام بہت ہی قابل تعریف وتوصیف ہے۔ ہم نے بھی اسی حوالے سے ایک کتاب "صالح اور مصلح: کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا پروگرام" مرتب کی ہے کہ جسے گوگل کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

روایت اور جدیدیت: فہم کا مسئلہ

بہت سے دوستوں نے سوال کیا کہ کیا آپ کے نزدیک روایت صرف کتاب وسنت کا متن ہی ہے ؟ کیا کتاب وسنت کا فہم روایت میں شامل نہیں ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل الاصول قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید لفظ ہے تو سنت اس کا فہم ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہی کتاب وسنت کا باہمی تعلق ہے کہ ہر ہر سنت، کتاب اللہ کی کسی نہ کسی آیت کی شرح وبیان ہے۔

---

[1] مولانا روم کی طرف منسوب فرقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بات ہم مستقل طور علیحدہ تحریروں میں کر چکے ہیں۔ لہٰذا ہم پر یہ اعتراض ہی لغو ہے کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید کے تو صرف لفظ نقل ہوئے ہیں، معنی نہیں۔ قرآن مجید لفظ و معنی کا مجموعہ ہے اور قرآن مجید کا معنی سنت میں نقل ہوا ہے۔ تو فہم رسول ﷺ روایت ہے اور حجت بھی ہے۔

دوسرا صحابہ کا وہ فہم کہ جس کا تعلق اجتہاد سے نہ ہو، وہ بھی روایت ہے اور حجت بھی ہے جیسا کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔ اور علم حدیث میں محدثین عام طور اس کے لیے "مرفوع حکمی" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں ہو لیکن علم تفسیر میں مفسرین اسے "درایت تفسیری" کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درایت تفسیری، روایت ہے۔ درایت تفسیری سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معانی متعین کرنے کی روایت کہ قرآن مجید صحابہ کی زبان میں نازل ہوا تھا جیسا کہ خود قرآن مجید کا بیان ہے۔ اور صحابہ ہی اس زبان کو سب سے بہتر جانتے تھے لہٰذا قرآن مجید کے کسی لفظ کے لغوی معنی متعین کرنے میں ان کی رائے حجت ہے۔ اور سلف صالحین کی اکثر تفاسیر جیسا کہ تفسیر طبری وغیرہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں صحابہ وتابعین کی تفاسیر اکثر وبیشتر اسی نوعیت کی ملتی ہیں کہ وہ قرآنی الفاظ کے معانی متعین کر رہے ہوتے ہیں۔ صحابہ وتابعین میں ایسی لمبی چوڑی تفاسیر کا رواج نہیں تھا جو متاخرین میں عام ہو چکا ہے۔ وہ مختصر ترین الفاظ میں تفسیر کرتے تھے یعنی لفظ کا معنی لفظ سے کر دیتے تھے یا دو چار الفاظ سے یا مختصر ترین جملے سے۔

اور گزشتہ صفحات میں ایک بات صحابہ کرام کے صرف اُس فہم کی ہوئی تھی کہ جس کا تعلق اجتہادی امور سے ہو اور اس میں صحابہ کا باہمی اختلاف مروی ہو۔ تو جب خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف مروی ہے تو ان میں سے کسی ایک کی رائے حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ان میں سے ایک دوسرے کے لیے حجت نہیں ہے تو ہمارے لیے کیسے ہو گی ! اور یہی معاملہ فقہائے کرام کے فہم کا بھی ہے کہ اگر اس میں اختلاف ہو تو وہ ایک دوسرے کے لیے حجت نہیں ہیں تو ہمارے لیے کیسے ہو سکتے ہیں ! اور اگر صحابہ، تابعین یا فقہائے عظام کا کسی نص کے فہم پر اجماع ہو جائے تو یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت بھی ہے اور حجت بھی۔ اور اگر اختلاف ہو تو پھر یہ روایت نہیں ہے، اس معنی میں روایت کہ جو روایت کا معنی ہم نے بیان کیا ہے یعنی وہ روایت جو رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچ جائے اور حجت بھی ہو۔ تو آسان الفاظ میں روایت دو طرح کی ہے؛ ایک وہ جو رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچ جائے تو یہ روایت بھی ہے اور حجت بھی اور اس کی اصلاح کی پوزیشن لینا انکار روایت ہے۔ اور دوسری وہ روایت جو رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک نہ پہنچ سکے تو یہ روایت ہے اور اس سے تمسک اختیار کرنا ہے لیکن اس کی اصلاح کی پوزیشن لیتے ہوئے۔ البتہ یہ روایت حجت نہیں ہے۔

ہم روایت، روایت میں فرق کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا ذیلی عنوان کے تحت ہمارا موضوع بحث وہ روایت ہے جو حجت یعنی بائنڈنگ ہے ورنہ تو جو رائے میں آج پیش کر رہا ہوں، کل کو یہ بھی روایت بن جائے گی۔ یہ لغوی معنی میں روایت ہے۔ تو شریعت کے فہم میں چار چیزیں حجت ہیں؛ فہم رسول ﷺ، غیر اجتہادی امور میں صحابی کا فہم، اجماع امت اور سلف صالحین کا منہج استدلال۔ منہج استدلال یا طرز استنباط سے مراد یہ ہے کہ کتاب وسنت سے استدلال کرنے کے کچھ اصول وضوابط اور مناہج واسالیب فقہاء نے متعین کر دیے لیکن کتاب وسنت ہی کی دلیل کی بنیاد پر اور اسے عرف عام میں اصول فقہ کہتے ہیں۔ لہٰذا سلف کے منہج استدلال سے باہر جانا غلط ہے۔ امام الحرمین نے اجماع کے معنی میں یہ بحث کی ہے کہ اجماع کی پابندی سے مراد اسی منہج استدلال کی پابندی ہے کہ جو سلف میں رائج رہا ہے۔ تو رجوع الی الکتاب والسنۃ علی منہج فہم السلف الصالحین، یہ اصل میں فکر اہل حدیث ہے۔ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے لیکن سلف صالحین کے منہج فہم کے مطابق۔

تو سلف صالحین کا فہم نہیں کیونکہ ان کے فہم سے اختلاف ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہوتے ہیں بلکہ ان کا منہج فہم مراد ہے کہ اس سے اختلاف درست نہیں ہے کہ وہ اکثر وبیشتر متفق علیہ ہے۔ مثال کے طور پر تمام سلف صالحین کا اصول فقہ کی بحث میں سنت کی تعریف پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن مکتب فراہی نے سنت کی تعریف ہی بدل دی اور فراہی واصلاحی رحمہما اللہ نے سنت سے مراد صرف فعل رسول ﷺ لیا ہے۔ اور غامدی صاحب نے جدیدیت کی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے سنت کی تعریف کو مزید یوں بیان فرمایا کہ سنت سے مراد صرف وہ فعل رسول ﷺ ہے کہ جس کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہو یعنی انہوں نے اس کی مزید تحدید فرما دی۔ تو اسے جدیدیت کہتے ہیں کہ سلف صالحین کے متفق علیہ اصول و مناہج سے نکل جانا۔ فکر فراہی کی سند فراہی صاحب پر ختم ہو جاتی ہے، اس لیے ہم اسے جدیدیت میں شمار کرتے ہیں جبکہ فکر اہل حدیث کی سند رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچتی ہے تو اسی لیے ہم اسے روایت کہتے ہیں۔

تو فہم شریعت سے متعلق یہ چار چیزیں وہ روایت ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچتی ہے لہٰذا حجت ہیں۔ اس کے علاوہ فہم سلف میں سے کچھ بھی حجت نہیں ہے البتہ ایک نظیر (precedent) کی حیثیت سے اس کی اہمیت مسلم ہے اور ہمیں اسے اہمیت دینی چاہیے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جب کسی مسئلے میں کتاب وسنت کے دلائل پیش کرتے ہیں تو اس کے بعد ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کی آراء کا لازمی طور تذکرہ کرتے ہیں اور یہی ایک عالم دین کی شان ہونی چاہیے۔ یہی کام برصغیر کے اکابر اہل حدیث علماء نے اپنے فتاوی میں کیا ہے کہ جب کسی مسئلے میں جواب دیتے ہیں تو کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ فقہائے احناف کی آراء کا خاص طور اور دیگر فقہاء کے فتاوی کا بالعموم ذکر کرتے ہیں۔ البتہ یہ کہنا کہ سلف صالحین کے فہم کی پابندی ہم پر لازم ہے تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چالیس سے زائد مسائل میں ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے کہ جن میں ائمہ اربعہ ایک طرف ہیں اور امام صاحب دوسری طرف ہیں۔ تو ایک امام تو کجا چاروں ائمہ کا فہم مل کر بھی حجت نہیں ہے الا یہ کہ اجماع ہو جائے اور وہ کم ہی مسائل میں ہوتا ہے یعنی عموما اصولی مسائل میں اتفاق ہوتا ہے یا پھر مبادیات دین میں ہوتا ہے۔ فروعی مسائل تو ہمیشہ اختلافی ہی رہتے ہیں۔

اب فقہائے اربعہ کا موقف یہ ہے کہ بیوی اگر بیمار ہو جائے تو شوہر پر اس کے علاج کے لیے خرچ کرنا واجب نہیں ہے، شوہر پر صرف نان نفقہ واجب ہے۔ تو جس زمانے میں آپ بیٹھے ہیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہاں روایت کے نام پر یہ سب کچھ پیش کریں گے تو دین ایک مذاق بن جائے گا۔ تو ائمہ اربعہ کے فہم کی اہمیت ہے لیکن وہ حجت نہیں ہے کہ اس کی خاطر جگ ہنسائی برداشت کی جائے اور پیچھے کوئی قطعی دلیل بھی موجود نہ ہو۔ اور اس کی دلیل فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ جب آپ کوئی عمارت کرائے پر لیتے ہیں تو اس عمارت کو استعمال کرنے کا کرایہ ادا کرتے ہیں لیکن عمارت میں اگر کچھ توڑ پھوڑ کرنی ہو تو اس کا خرچ مالک مکان کے ذمہ ہوتا ہے لہٰذا بیوی کا یہ خرچ اس کے والد کے ذمہ ہے کہ وہ اصل یعنی جسم کا خرچ اٹھائے گا جبکہ شوہر کے ذمہ صرف اس کے استعمال کا خرچ ہے اور وہ نان نفقہ ہی بنتا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے فقہائے اربعہ کا یہ موقف نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے کہ ان فقہاء کے عرف کے مطابق وہ فتوی چل گیا تھا اور اب وہ عرف نہیں رہا کہ ہم ایسے فتوے جاری کریں۔

باقی یہ کہنا کہ شریعت اور فہم شریعت میں فرق پہلی مرتبہ حافظ زبیر نے کیا ہے، تو ایسے ایسے اسی لیے پیدا ہوتے ہیں کہ ہمارے مدارس اصول فقہ کے متون کے حفاظ تو پیدا کر رہے ہیں لیکن اسے گہرائی میں سمجھنے والے نہیں۔ یہ فقہاء اور اصولیین کے مابین بنیادی اختلافات میں سے ایک ہے کہ جس میں اصولیین کا کہنا یہ ہے کہ حکم الٰہی سے مراد "اللہ کا خطاب" ہوتا ہے جبکہ فقہاء کے نزدیک اس سے مراد "خطاب کا اثر" ہوتا ہے۔ آسان الفاظ میں اصولیین کے نزدیک اصل حکم "أقیموا الصلوۃ" کی عبارت ہے جبکہ فقہاء کے نزدیک اس کا اثر یا نتیجہ یعنی "وجوب صلوۃ" [نماز کا واجب ہونا] ہے۔ اصولیین شریعت اور اس کے فہم کو ایک چیز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ فہم شریعت پر عمل کرنے سے اجر ضرور ملے گا بشرطیکہ اہلیت اور اخلاص ہو اور حکم الٰہی کی تلاش میں مقدور بھر کوشش صرف کی ہو۔

باقی یہ اعتراض کہ بعض روایات ضعیف ہیں اور بعض صحیح تو آپ کی بیان کردہ روایت بھی تو تو متفق علیہ نہ ہوئی۔ تو یہ اعتراض دراصل منکرین حدیث سے مستعار لیا گیا ہے اور انہوں نے اسے زیادہ بہتر انداز میں پیش کیا ہے اور اس کا جواب ہم نے اپنی کتاب "مکالمہ" کے آخری باب میں تفصیل سے دیا ہے۔ اور رہا یہ اعتراض کہ آپ میں اور غامدی صاحب میں کیا فرق ہے؟ تو بھئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کو ابھی بھی فرق سمجھ نہیں آتا تو ہم بچوں کی طرح گنوا دیتے ہیں۔ پہلا یہ کہ غامدی صاحب حدیث کی روایت کو دین کا مصدر نہیں سمجھتے جبکہ ہم سمجھتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ غامدی صاحب کے نزدیک فہم شریعت میں اجماع ممکن نہیں ہے جبکہ ہمارے نزدیک ممکن بھی ہے اور حجت بھی ہے اور یہ روایت بھی ہے۔ تیسرا یہ کہ غامدی صاحب کے نزدیک سلف صالحین کا منہج استدلال حجت نہیں ہے جبکہ ہمارے نزدیک وہ حجت ہے اور روایت بھی ہے۔ چوتھا یہ کہ غیر اجتہادی امور میں صحابہ کے اقوال اور قرآن کے لغوی معنی متعین کرنے میں صحابہ کی تفسیر روایت بھی ہے اور حجت بھی جبکہ غامدی صاحب کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

تو شارحین حدیث کے اقوال اور اصول حدیث میں فرق کریں، تفسیری اقوال اور اصول تفسیر میں فرق کریں، اصول عقیدہ اور عقائد میں فرق کریں، فقہ اور اصول فقہ میں فرق کریں تو ہماری بات سمجھ آئے۔ ہمارے نزدیک اصول تفسیر حجت اور روایت ہیں، تفسیری اقوال نہیں الا یہ کہ وہ مجمع علیہ ہوں۔ اسی طرح اصول فقہ حجت ہیں اور وہ بھی وہ جو مجمع علیہ ہیں نہ کہ فقہی اجتہادات الا یہ کہ وہ مجمع علیہ ہوں۔

اور یہ کہنا کہ فہم شریعت اگر شریعت نہیں ہے تو پھر اجر کیسا؟ تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کیا آپ کے سامنے نہیں ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرتا ہے تو خطا کرتا ہے تو پھر بھی اس کے لیے ایک گنا اجر ہے۔ تو مجتہد جب خطا کر رہا ہوتا ہے تو وہ اور اس کے متبعین شریعت پر عمل نہیں کر رہے ہوتے لیکن ان کے لیے اجر ضرور ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ اجتہاد کے اہل تھے، اس میں مخلص تھے، اور حکم الٰہی کی تلاش کے لیے مقدور بھر کوشش کرنے والے تھے۔ تو خود رسول اللہ ﷺ نے کہہ دیا ہے کہ مجتہد کا فہم بہر صورت شریعت نہیں ہوتا۔ ہاں بعض اوقات ہوتا ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتا۔ البتہ جب مجتہدین کا اتفاق ہو جائے تو پھر ان کا فہم یقینی طور شریعت ہوتا ہے ورنہ ظن غالب ہوتا ہے کہ وہ شریعت ہی ہو۔

رہا یہ سوال کہ فہم کی جو چار صورتیں آپ نے بیان کی ہیں، وہ کیسے رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچتی ہیں جو ہم ان کو حجت مان لیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بات واضح کرنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

نہیں ہوتی اور نہ ہی کی جا سکتی ہے۔ جب کہہ دیا تو اب اس پر غور کر لیں، جواب مل جائے گا۔ مصنف کو ہی مجبور نہ کریں کہ وہ اپنے لیول سے نیچے آئے، کبھی اپنے لیول سے بھی اوپر جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر آپ کو بھلے ہماری بات سے اختلاف ہو، اختلاف کریں، اور نقد بھی کریں لیکن سمجھنے کے لیے پہلے اپنا لیول اونچا کریں ورنہ تو ہر بات بچوں کی طرح سمجھائی نہیں جا سکتی ہے۔ بعض دوست بعض اوقات کسی تحریر پر سوال کرتے ہیں اور پھر خود ہی کچھ وقت بعد کہتے ہیں کہ تحریر دو چار مرتبہ پڑھ لینے سے جواب مل گیا، شکریہ۔ اب آپ کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہ گئی۔ چیزوں کو سمجھنے کے لیے یہ مشق بہت ضروری ہے یعنی دوسرے کی بات کو گہرائی میں سمجھنے کی مشق۔

تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت پر نقد ہر صورت جدیدیت نہیں ہوتا ورنہ تو تمام مجددین، متجددین ٹھہرتے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام بخاری، امام ابن حزم، امام غزالی، علامہ ابن جوزی، امام ابن تیمیہ، شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ سب کسی نہ کسی درجے میں روایت کے ناقد رہے ہیں لیکن ان میں اور متجددین میں اصل فرق یہ ہے کہ یہ سب ائمہ دین روایت سے تمسک اختیار کیے ہوئے اس کی اصلاح کی پوزیشن لیے ہوئے ہیں جبکہ متجددین نے روایت کے انکار کی پوزیشن لی ہوئی ہے۔

☆☆☆☆☆

WhatsApp No: 0300-4093026

Facebook ID: https://www.facebook.com/hm.zubair.52

Facebook Page: https://www.facebook.com/drhafizmuhammadzubair/

YouTube Channel: https://www.youtube.com/c/DrHafizMuhammadZubair

Email: mzubair@cuilahore.edu.pk